جلد 19 شمارہ 5 ماہ مئی 2017ء شعبان المعظم 1438ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت

اللہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالی کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالی کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

فلاحِ آدمیّت

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب محمد یعقوب توحیدی

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر	احمد رضا خان 0321-6400942
معاون مدیر	خالد محمود بخاری 0300-7374750
نائب مدیر	سید رحمت اللہ شاہ 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد

پیر خان، عتیق احمد عباسی

حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی

ماجد محمود توحیدی

ترسیل: فھد محمود ، محمد ریاض

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph: 055-3411030 ای میل: info@tauheediyah.com

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے

سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

درس قرآن

تعوّذ

(پروفیسر محمد شبیر شاھد ھوتوانی)

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِo

(سورۃ النحل: آیت:98)

ترجمہ : ”اور جب تم قرآن پڑھنے لگو شیطان مردود کے (شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔“

حکمت وہدایت: قرآن اللہ کا کلام ہے، جو سراسر نور ہی نور ہے، لہٰذا دل کو ایسے نور سے منور کرنے کیلئے شرور اور وساوس شیطانیہ وغیرہ سے پاک کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کے آداب بتائے جا رہے ہیں کہ تلاوت سے پہلے اللہ تعالیٰ سے شیطان کی وسوسہ اندازیوں سے پناہ مانگو تا کہ فہم قرآن میں شیطانی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ رہا جائے۔ کلام اللہ یعنی قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھنا مسنون ہے، خواہ تلاوت نماز میں یا نماز سے باہر ہو۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، اس لئے اَعوذُ باللہ پڑھ کر شیطان بلکہ ہر چیز کے شر سے صرف اللہ تعالیٰ ہی حفاظت میں آ سکتا ہے۔

کلام پاک کی تلاوت سے پہلے جھوٹ، غیبت اور بہتان وغیرہ سے ناپاک ہو جانے والی زبان کو اَعوذُ بِاللّٰه کے ذریعے پاک کر لیا جائے۔

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر کام کے شروع میں بسم اللہ پڑھی جائے لیکن قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے اَعوذُ بِاللّٰه کا حکم ہے۔

اس کا مطلب صرف اتنا نہیں ہے کہ بس زبان سے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم کہہ دیا جائے، بلکہ اس کے ساتھ فی الواقع دل میں یہ خواہش اور عملاً یہ کوشش بھی ہونی چاہیے کہ آدمی قرآن پڑھتے وقت شیطان کے گمراہ کن وسوسوں سے محفوظ رہے، غلط اور بے جا شکوک و شبہات میں مبتلا نہ ہو، قرآن کی ہر بات کو اس کی صحیح روشنی میں دیکھے، اور اپنے خود ساختہ نظریات یا باہر سے حاصل کئے ہوئے تخیلات کی آمیزش سے قرآن کے الفاظ کو وہ معنی نہ پہنانے لگے جو اللہ تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہوں۔ اس کے ساتھ آدمی کے دل میں احساس بھی موجود ہونا چاہیے کہ شیطان سب سے بڑھ کر جس چیز کے درپے ہے وہ یہی ہے کہ ابن آدم قرآن سے ہدایت نہ حاصل کرنے پائے۔ یہی وجہ ہے کہ آدمی جب اس کتاب کی طرف سے رجوع کرتا ہے تو شیطان اُسے بہکانے اور اخذِ ہدایت سے روکنے اور فکر و فہم کی غلط راہوں یعنی الحاد پر ڈالنے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتا ہے۔ اس لئے آدمی کو اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت انتہائی چوکنا رہنا چاہیے اور ہر وقت اللہ سے مدد مانگتے رہنا چاہیے کہ کہیں شیطان کی دراندازیاں اُسے اس سرچشمہ ہدایت کے فیض سے محروم نہ کر دیں۔ کیونکہ جس نے یہاں سے ہدایت نہ پائی پھر وہ کہیں ہدایت نہ پا سکے گا۔ اور جو اس کتاب سے گمراہی اخذ کر بیٹھا اسے پھر دنیا کی کوئی چیز گمراہیوں کے چکر سے نہ نکال سکے گی۔

قرآن کو اس کی اصلی روشنی میں صرف وہی شخص دیکھ سکتا ہے جو شیطان کی گمراہ کن وسوسہ اندازیوں سے ہوشیار ہو اور ان سے محفوظ رہنے کیلئے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگے، ورنہ شیطان کبھی آدمی کو اس قابل نہیں رہنے دیتا کہ وہ سیدھی طرح قرآن کو اور اس کی باتوں (احکام) کو سمجھ سکے۔

درس حدیث: اللہ کیلئے محبت اور اللہ کیلئے بغض وعداوت

(مولانا فضل الرحیم)

﴿عَن اَبِیْ ذَر رَضی اللّٰه عنه قَالَ قَال رَسُولُ اللّٰه ﷺ ان احب الاعمال الی اللّٰه تعالی الحب فی اللّٰه و البغض فی اللّٰه﴾ (رواہ ابوداؤد)

ترجمہ : "حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندوں کے اعمال میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ محبت ہے جو اللہ کے لئے ہو اور وہ بغض وعداوت ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہو۔"

کسی بندہ کا یہ حال اور طبیعت بن جانا کہ وہ محض اللہ کے لئے محبت کرے اور صرف اللہ کیلئے کسی سے بغض وعداوت رکھے بلا شبہ بہت بلند مقام ہے جیسا کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ سے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی مضبوط ترین دستاویز اللہ کیلئے محبت و تعلق جوڑنا اور اللہ کیلئے کسی سے تعلق توڑنا ہے۔ دراصل اللہ کیلئے محبت اس کی تعظیم اور عبادت کے زمرے میں شامل ہے جیسا کہ ایک حدیث کے مفہوم سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اللہ کیلئے کسی بندہ سے محبت کی، اُس نے اپنے ربّ عزوجل ہی کی عظمت وتوقیر کی۔ پھر اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرنے والے اللہ کے محبوب بن جاتے ہیں۔ چنانچہ معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سُنا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میری محبت واجب ہے ان لوگوں کیلئے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تابع کردیا ہے ان کا حال یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کیلئے، جس کے پاس بیٹھتے ہیں تو اللہ کیلئے، جس سے ملتے ہیں تو اللہ کیلئے، جس پر خرچ کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور محبت کیلئے ایسے لوگوں کو اللہ کی رضا اور محبت نصیب ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور

کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کیلئے میری محبت واجب اور مقرر ہو چکی ہے۔، میں ان سب سے محبت کرتا ہوں ان سے راضی ہوں، وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں۔اے اللہ! تو ہمیں بھی اپنے ان پسندیدہ بندوں میں شامل کردے جو تیرے ہی لئے آپس میں محبت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے باہم جڑ کر بیٹھتے ہیں اور تیرے ہی لئے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز ہوگا جیسا کہ حضرت عمرؓ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں لیکن قیامت کے دن انبیاء وشہداء ان کے خاص مقام وقرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے۔صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں بتایئے کہ وہ بندے کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے رضائے الٰہی کی وجہ سے باہم محبت کی پس قسم ہے اللہ تعالیٰ کی ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہونگے بلکہ سراسر نور ہوں گے اور وہ نور کے ممبروں پر ہونگے اور عام انسانوں کو جس وقت خوف و ہراس ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہونگے جس وقت عام انسان غم میں مبتلا ہونگے وہ بے غم ہونگے اس موقع پر آپ ﷺ نے قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون﴾

''جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں، ان کو خوف وغم نہ ہوگا۔''

آج دنیا کے اندر ہر شخص اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ محبت وتعلق کی بناء پر اچھا سلوک ایک فطری تقاضہ کی بناء پر تو کرتا ہی ہے لیکن کسی قرابت اور رشتہ داری کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیہ اور تحفے کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب خاص ومقرب بن جاتا ہے اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہونگی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔اللہ تعالیٰ ہمیں خالصتاً اپنی رضاء کیلئے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

روزہ

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

1۔ اسلام کی تمام عبادتوں میں صرف روزہ ہی ایک ایسی عبادت ہے جس میں انسان اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کی نقل کرتا ہے۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ خورد ونوش سے پاک ہے، اسی طرح روزہ دار بھی رمضان کے دنوں میں صبح سے شام تک نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنت پر کچھ دیر کے لئے عمل کرتا ہے۔ اگر روزہ دار اس نکتہ کو ملحوظ رکھے تو اللہ تعالیٰ دن بھر اس کو یاد رہے گا اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے، اس سے روزہ کو چار چاند لگ جائیں گے۔

2۔ پاکیزگی اور طہارت روزے میں لازمی ہے۔ روزے میں نہ صرف جسمانی بلکہ قلبی پاکیزگی بھی بہت ضروری ہے۔ مہینہ بھر قلب کو پاکیزہ اور گندے خیالات سے بچائے رکھنے سے اس قدر روحانی لطافت اور طاقت پیدا ہوتی ہے جو برسوں میں بھی نہیں ہوسکتی۔

3۔ صبر وتحمل اور قوت برداشت پیدا کرنے کی بڑی مشق ہوتی ہے جو اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کیلئے سب سے ضروری ہے، مگر افسوس کہ ہمارا مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ روزے میں مسلمانوں کو غصہ بہت زیادہ آتا ہے اور اس کے گھناؤنے مظاہر ہر گھر میں دیکھنے میں آتے ہیں ایسے روزے سے کیا فائدہ؟ روزے میں تو غصہ بالکل مر جانا چاہئے، مگر یہ تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ روزے میں اللہ یاد ہو۔

4۔بھوک پیاس کو روکنے یعنی باوجود بھوک پیاس کے کچھ نہ کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں کو نفی کرنے سے قوت ارادی بہت بڑھ جاتی ہے اور یہ چیز بھی اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔

5۔نماز کی طرح روزہ بھی ادائیگی فرض کا احساس پیدا کرتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ خواہ کتنی تکلیف اور مشقت آن پڑے فرض کو پورا کرکے دم لو۔

6۔غریبوں کی بھوک پیاس اور فاقہ زدگی کا احساس اور ان کی مدد اور خدمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو تنظیم وارتباط ملت کے لئے بہت ضروری ہے۔

7۔گردوپیش کے تمام مسلمانوں کو روزے سے دیکھ کر نادانستہ طور پر یک جہتی اور اجتماعیت کی روح ترقی کرتی ہے۔

8۔دن بھر بھوکے پیاسے رہتے ہوئے جب انسان اپنے روزمرہ کے کام انجام دیتا رہتا ہے مثلاً کوئی دفتر میں کام کرتا ہے، کوئی کارخانے میں، کوئی ہل چلاتا ہے، کوئی پتھر توڑتا ہے تو اس سے مشکلات میں رہتے ہوئے بھی عمل کرنے کی بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے۔

9۔رمضان کے بعد عید کے دن جب سب مسلمان نماز کے لئے جمع ہوکر خوشی مناتے اور بے تکلفی سے کھاتے پیتے ہیں تو اس سے نہ صرف آپس کی محبت واخوت میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی صحیح قدر بھی ذہن نشین ہوتی ہے۔

10۔ماہ رمضان کا مجاہدہ یہ سکھاتا ہے کہ اگر تم زندگی میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یعنی دنیاوی راحت وآسائش حاصل کرنا چاہتے ہو تو کچھ عرصہ بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاؤ، نفسانی خواہشوں پر قابو حاصل کرو، اخوت ومحبت سے رہو، صبر یعنی برداشت کی قوت پیدا کرو اور اللہ تعالیٰ کو

یاد کرتے ہوئے برابر عمل کرتے چلے جاؤ۔ آخر میں تم دیکھو گے کہ تمہارا ہر روز روزِ عید ہے اور ہر شب، شب برات۔

اب سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں نمازیوں کی نسبت روزہ دار بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے اوباش اور عیاش بلکہ چور اور ڈاکو تک رمضان کے مہینے میں پکے روزہ دار بلکہ پرہیز گار بن جاتے ہیں، لیکن ادھر رمضان ختم ہوا ادھر سب برائیاں اسی طرح موجود۔ یہ کیا بات ہے؟ کیوں ان لوگوں کے اخلاق کی اصلاح نہیں ہوتی؟ اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دراصل ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل نہیں، یعنی عقائد کی بنیاد کمزور ہے تو باقی عمارت کس طرح مضبوط ہو سکتی ہے۔ روزے کے دوران بلکہ تمام رمضان میں شاید ہی صحیح طور پر کسی کو احساس ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ بجائے صبر و تحمل اور قوت برداشت کے عام طور پر روزہ داروں میں گھبراہٹ، چڑچڑا پن اور غصہ بہت زیادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رمضان میں سینکڑوں مرتبہ یہ فقرہ سننے میں آتا ہے کہ "اس سے نہ بولنا اس کو روزہ لگ رہا ہے" یا "اس پر اس وقت روزہ سوار ہے" وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانو! خدا کے لئے اتنا تو سوچو کہ عبادت کرتے بھی ہو، تکلیف اٹھاتے بھی ہو لیکن وہ مقصد حاصل نہیں کرتے جس لئے یہ سب کچھ فرض کیا گیا ہے۔ خدا را ذرا کوشش کرو، اپنی عباتوں کو صحیح طور پر انجام دو تا کہ انفراداً اور اجتماعاً دونوں طرح دین اور دنیا میں سرخرو اور کامران ہو جاؤ۔

تخلیق آدم

(محمد صدیق ڈار توحیدیؒ)

انسان کی حقیقت اوراس کی غرض وغایت جاننے کے لیے خالق کائنات کی راہنمائی حاصل کرنا ناگزیر ہے۔اس وقت روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتابوں میں سے صرف ایک ہی کتاب اپنی اوّلین زبان اور ہرقسم کی تحریف سے پاک اصلی متن کے ساتھ موجود ہےاوروہ قرآن کریم ہے کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہےاوراللہ نے خوداس کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے۔دوسرے مذاہب کے ماننے والے اپنی کتابوں کے بارے میں ایسادعویٰ کرہی نہیں سکتے۔خالق کائنات نے اپنی حکمت بھری کتاب میں انسان کی تخلیق کے بارے میں راہنمائی فرمائی ہے اس کی روشنی میں اٹھائے گئے سوال کا جواب تلاش کرنے کی جدوجہد کریں گے۔کتاب مقدس کی ایک مختصری آیت مبارکہ نے ایک عظیم حقیقت کواس طرح اپنے اندرسمیٹ رکھا ہے جیسے سمندرکوکوزے میں بند کردیاہو۔سورہ الذاریات کی آیت نمبر ۵٦ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ (الذاریات:۵٦)

''اورہم نے جن اورانسان اس لیے پیدا کیے ہیں کہ وہ میری بندگی کریں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ ارشادفرمایاہے کہ انسان کی تخلیق کاایک ہی مقصد ہے کہ وہ صرف اورصرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرے۔عبادت سے مرادصرف ارکان اسلام کی ظاہری پابندی ہرگزنہیں ہے۔کیوں کہ ان پرعمل کرناتو بندگی کےاقراراوراللہ سے اپنی محبت کےعملی اظہارکی ایک صورت ہے۔یہ شریعت کامقررکردہ کم ازکم معیارہےاوراس کی

پابندی ہر مومن پر لازم ہے ۔ ان کی ادائیگی سے ایک مسلمان کی پہچان ہوجاتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا معمول کا تعلق قائم رہتا ہے ۔عبادت کا وسیع تر مفہوم تو بھرپور محبت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت ہے جو پوری زندگی پر حاوی ہے ۔یہ یاد رہے کہ عبد کے معنی غلام کے ہیں اور عملی زندگی میں ایک غلام کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی ، وہ اپنی خواہشات کو اپنے محبوب آقا کی رضا کے حصول کے لیے قربان کردیتا ہے ۔ جو اپنے مالک کا سچا بندہ بن جائے وہ اپنی مرضی کا غلام رہ ہی نہیں سکتا اور وہ سب کچھ کسی جبر کے تحت نہیں کرتا بلکہ برضا و رغبت اپنا مال و جان اپنے محبوب مالک کے قدموں پر نچھاور کر کے اس کی رضا اور اس کا قرب و دیدار حاصل کرلیتا ہے اور یہ نعمت عظمیٰ اللہ تعالیٰ کی کامل بندگی سے ہی حاصل ہوتی ہے ۔ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان یوں نقل کیا گیا ہے کہ ''میں ایک مخفی خزانہ تھا جب میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت کو پیدا کیا۔''

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن کا انکشاف ہے کہ ہر شے اپنی اپنی پیدائش کی مناسبت سے ذی شعور ہے ۔ اپنے خالق کو پہچانتی اور اس کی تسبیح بیان کرتی اور اس کے احکام کی کامل اطاعت کرتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام مخلوق سے بہتر صلاحیتوں اور برتر شعور سے مشرف فرمایا تاکہ یہ سب سے زیادہ اپنے خالق کی معرفت اور قرب حاصل کر کے اپنے ربّ کی بہترین نعمتوں اور انعام و اکرام سے نوازا جائے ۔ یہ خصوصی نوازش اللہ تعالیٰ کا انسان پر بہت بڑا احسان ہے اور اس کی بے پایاں محبت کا مظہر ہے کہ اسے اپنے قرب اور دیدار جیسی عظیم نعمت کے لیے منتخب فرمالیا۔اس طرح یہ بات پوری طرح کھل کر سامنے آگئی کہ انسان کی زندگی کا مقصود اللہ تعالیٰ کا دیدار ہے ۔ترجمان حقیقت علامہ اقبالؒ نے ایک ہی شعر میں اس راز کو افشا کرتے ہوئے فرمایا:

کمال زندگی دیدار ذات است
طریقش رستن از بند جہات است

یعنی انسان کی زندگی کا کمال یہ ہے کہ اپنے ربّ کی کامل بندگی کے ذریعے وہ مقام حاصل کر لے جہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔اس کے حصول کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اللہ کی رضا کے حصول کی راہ میں اس طرح آگے بڑھتا چلا جائے، جس طرح ایک ذہین بچے کو اپنی عبقریت کے اظہار کے لیے کسی مناسب تعلیمی اور تجرباتی ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی طرح انسان کی تسخیر و تعمیر کی صلاحیتوں کو پروان چڑھا کر مقصودِ حیات تک پہنچنے کے لیے بھی ایک خصوصی اور اس کے شایانِ شان تربیت گاہ کی ضرورت تھی اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے سے پہلے ہی زمین کو اپنی لاتعداد آیات سے مزین کر کے ایک وسیع و عریض تربیت گاہ کے طور پر تیار کر رکھا تھا۔

قرآن کریم میں تمام انسانوں کے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر کافی تفصیل کے ساتھ مختلف مقامات پر آیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اس آخری کتاب کے مطابق اللہ تعالیٰ نے زمین کی حکمرانی اور اپنے قرب و دیدار کی نعمت عطا کرنے کے لیے انسان کا انتخاب فرمایا اور اسے فرشتوں اور جنات پر فضیلت عطا فرمائی۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر چیزوں کے نام سکھا دیئے۔گویا تمام علوم کی روح اور چیزوں کی تسخیر کرنے کا ولولہ انکے اندر پھونک دیا۔ملائکہ پر انسان کی فضیلت اور برتری کے عملی اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو پیش کر کے ان کے نام دریافت فرمائے تو فرشتوں نے اپنی کوتاہ علمی کا اعتراف کرتے ہوئے جواب دینے سے معذرت کر لی۔اس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دیں۔جب حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو تمام چیزوں کے ناموں سے آگاہ کر دیا تو انسان کے استحقاق کے خلاف فرشتوں نے جو اعتراض اٹھایا تھا وہ رفع ہو گیا۔اس پر اللہ قادرِ مطلق نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمینوں کی پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو سب مجھ کو معلوم ہے۔

بعض ذہنوں میں یہ شبہ پیدا ہوسکتا ہے کہ اس طرح تو اللہ تعالیٰ نے جو جانبداری برتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کو تو سب چیزوں کے نام سکھا دیے اور فرشتوں کو نہ سکھائے۔ ایسی سوچ کم فہمی پر مبنی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو رحمٰن و رحیم ہیں اور عادل ہیں وہ ہرگز ظلم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کی ذات کے ساتھ منفی اور سلبی صفات منسوب کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ جس شے میں جس قدر خلقی طور پر ہمہ دانی اور ہمہ گیری کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ کہ ایک فرشتہ تمام چیزوں کے نام جان سکے یا مختلف النوع کا کام انجام دے سکے۔ ہر فرشتہ کو جو وظیفہ حیات عطا ہوتا ہے وہ اسی تک محدود رہتا ہے۔ اسی لیے صور پھونکنے، وحی لانے، جان قبض کرنے، بادلوں کو ہانکنے، بچوں کو پٹخانے، نامہ اعمال لکھنے اور دوسرے بے شمار اعمال ادا کرنے کے لیے علیحدہ علیحدہ فرشتے تعینات ہیں۔ آدم علیہ السلام کو حیّ و قیوم کے احسن تقویم یعنی دوسری مخلوق سے بہتر صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا تھا اور صرف وہی علم الاسماء کا حامل ہونے کی اہلیت سے بہرہ ور تھا۔ اس علمی امتحان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حکم فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ چنانچہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری اور فضیلت تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے حکم کی تعمیل کی۔ لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اس کی اولاد پہلے زمین پر آباد تھی۔ وہ جنات میں سے تھا اور خود بھی دل میں خلافت کی خواہش چھپائے ہوئے تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا تو پھر آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے میں کون سا امر تجھے مانع ہوا ابلیس نے جواب دیا کہ میں آدم سے بہتر اور برتر ہوں۔ اس کی تخلیق تو حقیر اور بدبودار مٹی سے کی گئی ہے۔ اور مجھے آپ نے مٹی سے بہتر اور لطیف شے آگ سے پیدا فرمایا۔ آپ نے اسے مجھ پر فضیلت بخش کر خلافت ارضی عطا کردی ہے۔ حالانکہ اس کی حیثیت میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اگر آپ میری درخواست قبول فرمالیں تو میں یہ ثابت کردوں گا۔ آپ روز قیامت تک کے لیے مجھے زندگی کی مہلت عطا فرمادیں تو میں اس کی اولاد کو آپ کی محبت و اطاعت کے صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کردوں گا اور آپ دیکھیں گے تھوڑے سے لوگ ہی شکر و رضا کے شیوہ پر قائم رہ سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی گزارش قبول فرمائی۔اور اس طرح ابلیس نسلِ انسانی کے دشمن کی حیثیت سے کھلم کھلا میدان میں اتر آیا۔وہ اپنی ذریت، لاؤلشکر، مکر وفریب اور تمام تر تخریبی حربوں سے لیس انسان کو اللہ تعالیٰ کی راہ سے ہٹانے اور قرب و دیدار سے محروم رکھنے کے لیے اس پر آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے حملے کرتا رہتا ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی شریکِ حیات حوّا علیہا السلام کو کچھ عرصہ کے لئے جنت میں ٹھہرانے کا انتظام فرمایا تا کہ ان کی ارواح اپنی منزل سے آشنا ہو کر دنیا میں جائیں۔جنت میں انہیں ہر طرح کی آزادی اور سہولت دستیاب تھی سوائے ایک خاص درخت جس کے قریب آنے سے اللہ علیم وخبیر نے انہیں منع کر دیا تھا۔ابلیس نے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اُکسانے کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔اس نے شجرِ ممنوعہ کے فوائد بڑے دلکش انداز اور منطقی استدلال کے ساتھ بیان کرتے ہوئے انہیں مستقبل کے بڑے سہانے خواب دکھائے۔ اس کے ساتھ ہی قسمیں کھا کھا کر اپنی خیر خواہی کا یقین بھی دلاتا رہا اور آخر کار انہیں فریب دینے میں کامیاب ہو گیا۔اس درخت کا پھل چکھتے ہی ان کی کیفیت بدل گئی۔ان کے ستر کی چیزیں ان پر کھل گئیں اور وہ شرمساری سے بچنے کے لیے جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت کے پاس جانے سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔اس پر وہ دونوں بہت ہی پچھتائے اور اپنی غلطی کا اعتراف کر کے بڑے ہی خشوع وخضوع سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ سے چند دعائیہ کلمات سیکھ کر ان کے ذریعے مغفرت طلب کی اور رحم کی بھیک مانگی تو اللہ رحیم وکریم نے ان کی معذرت قبول فرما کر انہیں معاف فرما دیا۔اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ انسان کو ازلی اور پیدائشی گناہ گار سمجھنے کا عقیدہ درست نہیں ہے۔آدم علیہ السلام کو پیدا ہی اس لیے کیا گیا تھا کہ انہیں زمین کی خلافت دی جائے اس لیے انسان کو اس مادی دنیا میں کسی جرم کی سزا بھگتنے کے لیے نہیں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عطا کردہ خصوصی صلاحیتوں کے اظہار،خودی کی تعمیر اور شخصیت کی تکمیل کے لے بھیجا گیا ہے۔

انسان کو خاکی وجود کے ساتھ اس جہان آب وگل میں بھیجنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ سماعت بصارت اور دل ودماغ کا صحیح استعمال کر کے روح کی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لائے اور اس مادی عالم کو تسخیر کر کے اپنی خدمت میں لگانے کے ساتھ ساتھ معرفت نفس اور عرفان الٰہی کے بلند ترین مقام تک پہنچ جائے۔

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کے ملفوظات

حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایات کے مطابق دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکمرانی قائم کردی۔ آپ ﷺ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے کہ دین ایمان وعمل کا ہی نام ہے اس لئے وہ مجسم خلوص اور سراپا عمل تھے۔ انہیں یقین کامل تھا کہ دنیا میں اقوام عالم کی قیادت وسیادت اور آخرت میں انعام واکرام اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا عطا کیا جانا عمل پر ہی منحصر ہے۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو پوجا پاٹ کی رسوم کیلئے نہیں بلکہ مکمل آئین حیات کے طور پر اپنایا اور پوری طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اطاعت میں داخل ہو گئے۔ ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی اور ان کا جینا اور مرنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر گام پر انہیں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ملتی رہی اور صرف آدھی صدی کے عرصہ میں اُنہوں نے تقریباً آدھی دنیا کو زیر نگیں کرلیا۔

اقتباس از مقصود حیات

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدیؒ کا خط بنام: سیّد رحمت اللہ شاہ

مورخہ: 03.01.2003

السَلامُ عَلَیْکُمْ وَ رحمۃ اللہ!

آپ کا خط ملا۔ آپ کی اور اہلِ لسوڑی کی عافیت معلوم ہوئی۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ صحت کے چھوٹے چھوٹے مسائل کے ہوتے ہوئے میں بھی ٹھیک ہوں۔ اللہ کا شکر ہے جس حال میں رکھے۔ میں 18 دسمبر سے 22 دسمبر راولپنڈی چلا گیا تھا۔ وہاں کے بھائیوں کا شکوہ تھا کہ اس مرتبہ ہمیں تھوڑا وقت دیا گیا ہے۔ الحمد اللہ وہاں خوب رونق رہی۔ بٹگرام سے عبدالقیوم صاحب اور انکے ہمراہ اصغر صاحب بھی تھے اور مانسہرہ سے چند پرانے بھائی بھی آئے جنہوں نے تجدید بیعت کی۔ انشاء اللہ مانسہرہ میں بھی حلقۂ توحیدیہ قائم ہو جائیگا۔

سب بھائی خوب محنت سے **اللّٰہ۔اللّٰہ** کریں اور ہر حال میں راضی برضا رہنا سیکھ جائیں تو پھر اللہ کے فضل سے ان کی بات میں مطلوبہ تاثیر پیدا ہو جائے گی اور دوسرے بھائیوں کی بھی اصلاح ہو سکے گی۔ آپ کے بارے میں یہ پڑھ کر تعجب ہوا کہ آپ نے A.S.I. کا امتحان دے رکھا ہے۔ آپ کو تو **C.S.S.** کی تیاری کرنی چاہیے۔ بہر حال To Test the guts ٹھیک ہی ہے۔ میری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں، اللہ ساری رکاوٹیں دور کر کے خصوصی کرم سے نوازے۔ آمین! منیر احمد لودھی صاحب کی والدہ اور رسالپور والے ہمارے بھائی محمد شریف صاحب انتقال کر گئے ہیں، اُن کیلئے مغفرت کی دُعا خود بھی کریں اور ذکر کے بعد بھی کرائیں۔
ابھی ابھی سوئی گیس عملہ کے دو ارکان سروے کیلئے آئے تھے۔ نقشہ بنا کر گئے ہیں۔ گیس لائن سے ہمارا (مرکزِ تعمیرِ ملت) فاصلہ 600 فٹ ہے۔ اللہ کرے گا منظوری مل ہی جائے گی۔ آجکل سردی کا زور ہے۔ میری صحت کیلئے دُعا کرتے رہیں۔ خالو جان اور برادران کو میرا سلام کہہ دیں۔

والسلام

مورخہ: 15.03.2003

السّلامُ عَلَیْکُمْ وَ رحمۃ اللہ!

آپ کا کچھ تاخیر سے خط ملا۔اتوار 9 مارچ کو یہاں ہم نے یومِ مستورات منایا۔گکھڑ، گوجرانوالہ، ڈسکہ اور جڑانوالہ کے بھائیوں کے اہل وعیال نے شرکت کی۔کافی دنوں سے پروگرام بن رہا تھا۔الحمد للہ تجربہ ٹھیک ہی رہا۔جہاں بہنوں کا آپس میں تعارف ہوا، وہاں انہیں سلسلۂ توحیدیہ کی تعلیم سے بھی آگاہی ہوئی۔ہم نے ان سے اللہ۔اللہ کرنے کی اہمیت بیان کی اور اس دنیا کی عارضی نعمتوں کے مقابلہ میں آخرت کو ترجیح دینے کی ترغیب دی۔بہرحال اطلاعات یہ ہیں کہ بہنیں بہت خوش ہیں اور اس پروگرام کو بہت پسند کیا گیا ہے۔آج سالانہ اجتماع کیلئے دعوت نامہ تیار کیا ہے۔اب خطبہ یکسوئی سے لکھوں گا۔

میرے پیارے بیٹے! اللہ تم پر اپنا مزید فضل وکرم فرما کر اپنی رحمت میں داخل فرمائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اپنے بندے کو تسلیم ورضا اور اطمینان قلب والی راہ پر ڈال دیتا ہے اور بندہ کو ایسے لگتا ہے کہ سب کام میری ہی مرضی کے مطابق ہو رہے ہیں اور وہ فقیری میں شاہی کے مزے لوٹتا رہتا ہے۔اللہ تعالیٰ خود ہی سب کچھ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مٹھائی اور محبت قبول فرمائے آمین! اس کلرک کو اب وسعت قلب کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی خوشی سے مٹھائی کیلئے کچھ ضرور دے دو۔اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

مقابلہ کے امتحان کیلئے خوب دل جمعی کے ساتھ مطالعہ کرو، اور خوب تیار ہو کر میدان میں اُترنا چاہیے۔پوری ہمت لڑا کر اور محنت کر کے کامیاب ہونا قابل فخر بات ہے۔نیم دلانہ

کوشش کر کے نا کام رہ جانا اور پھر بہانے تراشتے رہنا اہل عزم کا شیوہ نہیں ہے۔ جس کام کو ہاتھ ڈالو اس میں تن، من لگا دو اور ساری توانائی اس پر مرکوز کر دو۔ یہی کامیابی کا گُر ہے۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ حَسْبِیَ اللّٰہُ نِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ؎ کی کچھ تعداد روزانہ وظیفے کے طور پر پڑھ لیا کرو اگر ایک تسبیح کر لو تو بہت ہی اچھا ہے۔ میں نے بھی تفہیم القرآن پڑھی تھی۔ مولانا ؒ بڑے ذہین و فطین علامہ تھے۔ بہت لکھا اور خوب لکھا، کام بھی بہت خوب کیا۔ لیکن پریم کے بغیر ہی رہے۔ مجھے تو کبھی حکمرانی کی تکرار پڑھتے پڑھتے دردِ سر ہونے لگتا تھا۔ جب اندر عشق کی شیرینی نہ ہو تو پھر ادب سے دوری ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں صحیح خیال ڈال دیا ہے۔ بس احتیاط سے پڑھتے رہیں۔ پیر کرم شاہ مرحوم کی ضیاء القرآن دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اللہ انتظام فرما دیں گے۔ آپ بھی پڑھنا۔ آپ اللہ، اللہ کرتے رہیں اور درود شریف 1000 مرتبہ روزانہ پڑھتے رہیں، اللہ کے خصوصی فضل سے اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کی منشاء کے مطابق قرآنی مطالب دل پر القاء ہونگے، ہو سکتا ہے کسی بھی مفسر نے بیان نہ کئے ہوں۔ کچھ کچھ اب بھی ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ذوق میں اضافہ فرمائے اور دولتِ عرفان سے نوازے۔ آمین! فی الحال اتنا ہی کافی ہے۔ انشاء اللہ بشرطیکہ صحت و زندگی نصیب ہو، آپ کی راہنمائی کیلئے لکھتا رہوں گا۔

بندگی کے تقاضے

(پیر خان توحیدیؔ)

قرآنی اصطلاح میں بندگی کے معنی بہت وسیع ہیں ۔اللہ کی عبادت اللہ کی غلامی ،اللہ کی فرمانبرداری اور اللہ کا ذکر بندگی کے تقاضے ہیں ۔اسلام میں بندگی کا تصور یہ ہے کہ ہماری ساری زندگی کا ایک لمحہ بھی خدا کی عبادت ،فرمانبرداری اور ذکر سے خالی نہ ہو ۔اس دنیا میں رہ کر ہم جو کچھ بھی کریں خدا کی شریعت کے مطابق کریں ۔ ہمارا سونا، جاگنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا غرض سب کچھ قانونِ شرعی کی پابندی میں ہو ۔خدا نے جن باتوں اور جن کاموں سے ہمیں روکا ہے اُن سے رک جائیں اور جن تعلقات کو جوڑنے یا توڑنے کا حکم دیا ہے اُن کو اس کے حکم کے مطابق جوڑیں اور اُسی کے حکم کے مطابق توڑیں ۔خداوند قدوس نے جو خدمات ہمارے حوالے کی ہیں اور دنیوی زندگی میں جو فرائض ہمارے سپرد کیے ہیں اُن سب کا بار نفس کی پوری رضامندی کے ساتھ سنبھالیں اور ان کو اس طریقے سے ادا کریں جس طرح خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعے ہماری رہنمائی کی ہے ۔ہم ہر وقت اور ہر کام میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور سمجھیں کہ ہم کو اپنی ایک ایک حرکت اور ایک ایک کام کا حساب دینا ہوگا ۔اپنے گھروں میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے محلے میں اپنے ہمسایوں کے ساتھ ،اپنی سوسائٹی میں اپنے دوستوں کے ساتھ اور اپنے کاروبار میں اہل معاملہ کے ساتھ برتاؤ کرتے وقت ایک ایک کام اور ایک ایک بات میں خدا کی مقررہ حدود کا خیال رہے ۔ جب رات کے اندھیروں میں کوئی نافرمانی ہم اس طرح کر سکتے ہوں کہ کوئی ہمیں دیکھنے والا نہ ہو یا کسی تنہائی میں کوئی جرم اس طرح کر سکتے ہوں کہ پکڑنے والے یا گواہی دینے والے کا کھٹکا تک نہ ہو اس وقت بھی خدا کا خوف آڑے آئے اور ہم

جرم سے باز رہیں۔ جب ہم جھوٹ، بے ایمانی اور ظلم سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کر سکتے ہوں اور کوئی ہمیں روکنے ٹوکنے والا بھی نہ ہو اس وقت بھی خدا سے ڈر کر اس فائدے اور نفع کو چھوڑ دیں اور جب سچائی اور ایمان داری میں سراسر نقصان کا احتمال ہو اس وقت نقصان اٹھانا قبول کر لیں صرف اس لئے کہ ہمارا خدا خوش ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی کا صحیح مفہوم تو یہ ہے کہ اس دنیا کے دھندوں میں پھنس کر بھی اور دنیوی زندگی کی ساری ذمہ داریوں کو سنبھال کر خدا کے قانون اور حکم کی دل و جان سے پابندی کریں نہ کہ دنیا کو چھوڑ چھاڑ کر کونوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دیں۔ اصل ذکرِ الٰہی تو یہ ہے کہ جو چیزیں خدا سے غافل کرتی ہیں ان میں پھنس کر بھی خدا سے غافل نہ ہوں۔ "بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ انصاریؒ نے اس بارے میں تعمیر ملت کے چیپٹر "قطع ماسویٰ اللہ" میں لکھا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں اور خانقاہوں میں بیٹھ جانا رہبانیت ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے لا رہبانیہ فی الاسلام کہہ کر منع فرمایا ہے۔ اسلامی حکمت تو یہ ہے نوکری، مزدوری، تجارت، زراعت جس طرح بھی ہو دنیا کماؤ۔ شادی کرو بچوں اور بیوی کے حقوق ادا کرو۔ تمام حقوق العباد کو بوجہ احسن پورا کرو اور ساتھ ساتھ بندگی کے تقاضے بھی پورے کرو۔ مزید فرماتے ہیں کہ یہ طریقہ رہبانیت سے زیادہ مشکل ہے۔ لیکن زیادہ افضل ہے۔ کیونکہ جو آدمی علائق دنیوی سے آزاد ہو کر اگر عمر بھر جنگلوں، خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہے تو اس نے کیا خاک کمایا۔ کمال تو یہ ہے کہ ہر ہر قدم پر دنیاوی کاروبار۔ تعلقات محبت فرائض اور تفکرات اس کا راستہ روکیں اور وہ سب کو ٹھکرا کر ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ نزدیک ہوتا چلا جائے"

دنیا کی زندگی میں جہاں قانون الٰہی کو توڑنے کے بے شمار مواقع بڑے بڑے فوائد لئے ہوئے سامنے آتے ہوں وہاں بھی خدا کو یاد کریں۔ اور اس کے قانون پر قائم رہیں۔ حکومت کی طرف سے کوئی بڑا عہدہ مل جائے عدل و انصاف کے منصب پر متمکن ہو جائیں۔

زمین کے خزانوں پر قابض و متصرف ہو جائیں یا فوجوں کے کمانڈر بن جائیں پھر بھی خوف خدا، طاقت کے نشہ میں مدہوش ہونے اور ظلم و ستم کرنے سے ہمیں باز رکھے اور سچائی، انصاف اور حق پسندی کے مستقل اصولوں پر عمل کر کے دکھائیں۔ ہر طرف ظلم، جھوٹ دغا فریب اور بدکاری کے راستے کھلے ہوں دنیوی کامیابیاں اور مادی لذتیں ہر راستے کے سرے پر جگمگاتے ہوئے تاج پہنے نظر آئیں پھر بھی خدا کی یاد اور آخرت کی باز پرس کا خوف ہمارے لئے پاؤں کی زنجیر بن جائے۔ حدود اللہ میں سے ایک ایک حد قائم کرنے میں جان و مال کا زیاں نظر آئے اور خدا کے قانون کی پیروی کرنا زمین و آسماں دشمن بنا لینے کا ہم معنی ہو جائے پھر بھی ارادہ متزلزل نہ ہو اور جبینِ عزم پر شکن تک نہ آئے یہ ہے اصلی عبادت اس کا نام ہے یادِ خدا اسی کو ذکر الٰہی کہتے ہیں۔ اور یہی ہے وہ بندگی جس کی طرف قرآن میں اشارہ دیا گیا ہے۔

ترجمہ: ”پس جب تم نماز ختم کر لو تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور یاد کرو اللہ کو بہت تا کہ تم فلاح پاؤ "الجمعہ"

اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا کوئی بھی لمحہ خدا کی عبادت اور یاد سے خالی نہ گزرے۔ لا إله الا اللّٰه کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آ جاتی ہے کہ جس اللہ کو انسان نے اپنا معبود تسلیم کیا ہے اس کا عبد یعنی بندہ بن کر رہے اور بندہ بن کر رہنے کا نام بندگی ہے۔ اب وہ جو کام بھی کرے گا اپنی مرضی سے نہ کرے گا۔ بلکہ اپنے معبود کی مرضی پر کرے گا اب اس کی مرضی نہ چلے گی۔ کہنے کو تو یہ چھوٹی سی بات ہے لیکن عملاً آدمی کی ساری زندگی کا اپنے تمام گوشوں کے ساتھ عبادت بن جانا اتنا آسان کام نہیں اسی لئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

چو ں می گو ئم مسلما نم بہ لر ز م
کہ دا نم مشکلا تِ لا ا لہ ر ا

اس کے لئے زبردست ٹریننگ کی ضرورت ہے۔اس لئے پہلے ذہن کی تربیت کی جائے گی۔مضبوط کریکٹر پیدا کیا جائے گا،عادات وخصائل کوایک سانچے میں ڈھالنا پڑے گااور نہ صرف انفرادی سیرت پر اکتفا کیا جائے گا بلکہ ایک اجتماعی نظام بنایا جائے گا جو بڑے پیانے پر افرادکواس عبادت کے لئے تیار کرنے والا ہوجس میں جماعت کی طاقت افراد کی پشت پناہ۔مددگاراور کمزوریوں کی تلافی کرنے والی ہو۔اسی مقصد کے تحت اسلام میں نماز،روزہ،حج،زکوٰۃ جیسی عبادات فرض کی گئی ہیں۔یہی وہ عبادات ہیں جن سے مخصوص ذہنیت بنتی ہےاوراس خاص کریکٹر کی تشکیل ہوتی ہے۔اوراس اجتماعی نظام کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔جن کے بغیر انسان کی زندگی کسی طرح عبادات الٰہی میں تبدیل نہیں ہوسکتی ان چار چیزوں کے سوااورکوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے وہ مقصد حاصل ہو سکے۔اسی لئے ان کوارکان اسلام بھی قرار دیا گیا ہے۔یعنی یہ ستون ہیں جن پر اسلامی زندگی کی عمارت قائم ہوتی ہےاورقائم رہتی ہے۔

زندگی اللہ کی غلامی اوربندگی میں گزارنے کے لازمی معنی یہ ہیں کہ موت کے بعد آنے والی زندگی میں اس سے ملاقات ہو۔اس کی بندگی اور غلامی میں جو ہماری کوششیں ہوں ان کووہ قبول فرمائے اوراس کی خوشنودی،رضامندی کی مستحق ٹھہریں۔پس جو آدمی اللہ اورآخرت پر ایمان کا دعویٰ کرے اس کوان دونوں کوملا کر چلنا ہوگا۔اس لئے کہ اللہ پر ایمان کا دعویٰ آخرت کے یقین کے بغیر عملی زندگی میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ہستی کو ہم نے ہر جگہ محسوس کیا ہواور ہر جگہ پایا ہوموت کے ساتھ ہی ہم سے اچانک لاتعلق ہوجائے۔اگر اللہ سے ملاقات،آنے والی زندگی،اس کا انعام،اس کی رضا،اس کا احتساب یہ ساری چیزیں حقیقت نہ ہوں تو پھر زندگی،اطاعت اس کی راہ میں جان لڑانے،جہاد فی سبیل اللہ کے معنی کیا رہ جاتے ہیں۔بلکہ وہ آدمی بڑا ہی نادان ہے جو نیکی کرےاور یہ یقین نہ رکھتا ہو کہ آخرت میں اللہ سے ملاقات ہوگی۔صاحب ایمان تو صاحب شعور بھی ہوتا ہے،شعور کا تقاضا یہی بنیادی لوازمات ہیں جنہیں ذہن میں صاف ہونا چاہیے۔اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آخرت پر ایمان کے معنی

یہ ہیں کہ دنیا کی ساری زندگی، یہاں کی کوششیں ہر بات ہر کاوش اور ہر قدم کا محور آخرت ہو یہی ایمان بالآخرت ہے، جتنا یہ مضبوط ہوگا اتنا ہی اللہ کے ساتھ تعلق بھی مضبوط ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ عبادت، غلامی اور بندگی کا مقصد آخرت کو مطلوب مقصود قرار دینا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ساری زندگی کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ زندگی اگر بندگی میں بسر کرنی ہے تو یہ سمجھ کر بسر کرو کہ جب اس سے ملاقات ہوگی تو وہ فیصلے کا دن ہوگا اور ہم نے فی الواقع زندگی اس کی بندگی میں بسر کی یا نہیں کی۔ تیسری بات بندگی کے تقاضوں میں سب سے بڑی رکاوٹ دنیا کو ترجیح دینا ہے۔ دنیا کی محبت اس کے اوپر راضی ہو جانا اس کو مقصود بنا لینا ایک ایسی بیماری ہے۔ جو اللہ کی راہ میں اٹھنے والے ہر قدم اور ہر کوشش کو گھن کی طرح کھا جاتی ہے۔ جس طرح کافروں کے ساتھ لگی ہوئی ہے اسی طرح ان کے ساتھ بھی لگی رہتی ہے جو بندگی کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید فرقان حمید میں بار بار واضح کیا ہے اور مثالوں سے سمجھایا ہے کہ دنیا کی حقیقت کیا ہے اور آخرت کی حقیقت کیا ہے۔ دنیا کی ہر چیز فانی ہے جبکہ آخرت کی ہر چیز باقی رہنے والی ہے اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہے۔ جن لوگوں نے دنیا میں اللہ کی بندگی، اللہ کی غلامی میں اور اللہ کے ذکر میں زندگی گزاری ہوگی وہاں عیش وعشرت میں ہونگے۔ انہیں نہ کوئی غم ہوگا اور نہ کوئی ملال۔ اور جن لوگوں نے دنیا میں عیش وعشرت کی زندگی اللہ کی بندگی کے بغیر بسر کی ہوگی قیامت میں نہ ختم ہونے والے دردناک عذاب میں مبتلا ہونگے۔ دعا ہے اللہ رب العزت ہمیں بندگی کے تقاضے پورے کرنے والی زندگی نصیب فرمائے۔ آمین!

اللہ کی یاد سے غفلت کا انجام

(عبدالقیوم ھاشمی۔ گوجرانوالہ)

کسی سے شدید محبت کرنا یا کسی کے خیال، دھیان اور یاد میں مستغرق رہنا دراصل ایک ہی کیفیت کے دو نام ہیں۔ کیونکہ جس سے محبت ہو اس کا خیال اور یاد کا دل و دماغ پہ غالب ہونا ایک فطری امر ہے۔ بعینہٖ ہم اپنا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اللہ ربّ العالمین سے ہمارا محبت کا جذبہ کس قدر پروان چڑھ رہا ہے، اس کیلئے ہمیں صرف یہ دیکھنا ہوگا کہ ہم کس قدر اللہ کی یاد میں مشغول رہتے ہیں۔ اگر تو ہم کثرت سے ذکر کرتے ہیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی محبت اور قرب ولقاء بھی انشاء اللہ حاصل ہو جائے گا۔ اس سے بڑھ کر اور کوئی خوش نصیبی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کو کثرت ذکر کا حکم فرمایا ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً (سورۃ احزاب آیت:41)

ترجمہ: ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو۔''

وَأَقِمِ الصَّلَاۃَ لِذِکْرِیْ (سورۃ طٰہٰ آیت: 14)

ترجمہ: ''اور میری یاد کیلئے نماز قائم کیجئے''۔

مزید براں قرآن کریم کو بھی ''الذکر'' ہی سے موسوم کیا گیا ہے یعنی قرآن کریم کی تلاوت کا مقصد بھی اللہ کی یاد کا حصول قرار دیا گیا۔ گویا نماز قرآن کریم کی تلاوت اور ہر لحظہ ذکر اللہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ دل میں اللہ کی یاد مستقل قائم ہو جائے تا کہ اللہ ربّ العزت سے (فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ) ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا'') کا عظیم الشان وعدہ پایہ تکمیل کو پہنچے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سبحانہ تعالیٰ اس سے محبت کریں گے اور وہ بھی محبت باری تعالیٰ سے

سرفراز ہوگا۔قرآن کریم میں اللہ کا محبوب بندہ بننے کا یہی آسان راستہ ہے کہ ہم کثرت ذکر کرنے والے گروہ میں شامل ہو جائیں۔کیونکہ اللہ کی محبت اور اتباع رسول ﷺ کے تقاضے اسی طریقے سے پورے ہوتے ہیں۔

اللہ کی یاد کے بغیر مسلمان ایک بے روح لاش کی مانند ہے۔حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:''ذکر کرنے والے اور نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مُردہ کی ہے''۔

انسان کا وہی عمل حقیقتاً عمل ہے جو اُسے کچھ دے رہا ہو، اگر آدمی بظاہر سرگرمیاں دکھا رہا ہو اور اُس کا اپنا وجود کچھ پانے سے محروم ہو تو اس کی تمام سرگرمیوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ اُس کی روح کے اندر کوئی کیفیاتی ہل چل پیدا نہ ہو۔یہ ایسے ہی ہے کہ آپ غذا کھا رہے ہوں مگر وہ جسم کو قوت نہ دے رہی ہو۔مطلب یہ کہ اس کا جسمانی عمل وہی عمل ہے جو اُس کے غیر جسمانی وجود میں تبدیلی اور بہتری لا رہا ہو۔دین اپنے اندر سفر کرنے کا نام ہے۔یہ خود اپنے اندر جھانکنے کا نام ہے نہ کہ دوسروں کو پرکھنے کا ماہر بننے کا۔یہ سفر اور مرحلہ ذِکْرُ اللّٰہ ہی سے شروع ہوتا ہے۔

ابنِ کثیرؒ نے اُذْکُرُو اللّٰہ ذِکْرًا کَثِیرا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے مذکورہ آیت کی تفسیر فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر کوئی ایسی عبادت فرض نہیں فرمائی جس کی حد مقرر نہ ہو اور اُس میں کسی معذور آدمی کا عذر قبول نہ فرمایا ہو، مگر ذکر الٰہی ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور نہ کسی کو ترکِ ذکر پر معذور فرمایا۔ ہاں! جو مغلوب الحال ہو اس کا معاملہ جُدا ہے اور فرمایا اللہ کا ذکر کرو کھڑے ہو، بیٹھے ہو یا لیٹے ہو۔رات ہو یا دن۔دِل سے ہو یا زبان سے، خشکی پر ہو یا سمندر میں، سفر میں ہو یا حضر میں، خوشحال ہو یا عسیر الحال، تندرست ہو یا بیمار، ہر حال میں ذکر کرو۔

اب چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ پیش ہیں تا کہ اللہ کی یاد کی اہمیت اور

خصوصیت کا اندازہ ہو اور ہم اللہ کی یاد سے غفلت کے مرتکب نہ ہوں کیونکہ اللہ کی یاد سے غفلت کا انجام دنیا و آخرت میں ناکامی اور خسارہ ہے۔

وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلاَ تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ (سورۃ اعراف آیت: 205)

ترجمہ: (''اے نبی ﷺ!) اپنے ربّ کو صبح و شام یاد کیا کرو۔ دل ہی دل میں، گڑگڑاتے ہوئے، عاجزی سے، زبان سے آواز نکالے بغیر۔ اُن لوگوں میں سے مت ہو جانا جو غفلت کا شکار ہیں''۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥ (سورۃ الجمعہ آیت 10)

ترجمہ: ''پھر جب نماز ادا کر چکو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔''

قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى ٥ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى (15) (سورۃ الاعلیٰ)

ترجمہ: ''فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے ربّ کے نام کا ذکر کیا پھر نماز پڑھی۔''

وَمَن يَعْشُ عَن ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَاناً فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ٥ (الزخرف آیت: 36)

ترجمہ: ''جو شخص رحمان کے ذکر سے تغافل برتتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلّط کر دیتے ہیں اور وہ اس کا رفیق (دوست) بن جاتا ہے۔''

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُوْلَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ٥ (سورۃ مجادلہ آیت:19)

ترجمہ : ''ان پر شیطان نے پورا تسلط کرلیا ہے،سواُس نے اِن کواللہ کے ذکر سے بھلا دیا، یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں۔''

وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ٥ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ٥ (سورۃ جنّ:17)

ترجمہ: ''اور جواعراض کرے گا اپنے ربّ کے ذکر سے،اس کوعذاب ملے گاچڑھتاہوا۔''

ان آیات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کی یاد سے غافل ہونا شیطان سے تعلقات استوار کرنا ہےاور اللہ سے تعلق توڑنا اور شیطان سے تعلق جوڑنا ہے۔گویا کہ وہ حزب اللہ سے نکل کرحزب الشیطان میں داخل ہو جاتا ہے۔انسان جس قدر اللہ سے غافل رہتا ہےاس کا تعلق اتنا ہی کمزور ہوتا ہے۔جتناوہ ربّ کی طرف ذکر کے ذریعہ متوجہ رہتا ہے،یہ رابطہ اتناہی گہرااور مضبوط ہوجاتا ہے۔ذکر کوئی مستحب عمل نہیں اور نہ ہی نوافل کے درجے میں ہے بلکہ فرض اوّل ہے اگر ذکرنہیں کریں گےتو سزا ملے گی۔جیسا کہ قرآن میں ذکر نہ کرنے پر وعید آئی ہے۔

احادیث مبارکہ

ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اُس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے ایک دن مجھے یاد کیایا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔''

حضور نبی کریمﷺ نے فرمایا: ''میں تمہیں حکم دیتاہوں کہ اللہ کو کثرت سے یاد کیا کرو،اُس کی مثال ایسی ہے کہ آدمی کے تعاقب میں دشمن تیزی سے آرہاہواور وہ آدمی اس سے بچنے کیلئے قلعہ میں پناہ گزین ہوجائے ،اسی طرح شیطان کے حملے سے بچنے کی صرف ایک صورت ہےاور وہ اللہ کا ذکر ہے۔

معاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: مرتے دَم تک ذکر الٰہی میں

انسان کا رَطْبُ اللِسَان رہنا، اللہ تعالیٰ کوزیادہ محبوب ہے۔“

مسلم شریف میں **حضرت عائشہ صدیقہؓ** سے مروی ہے کہ رسول کریم ﷺ ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ: ”اہل جنت کو اُس ساعت کے سوا کسی چیز کا افسوس نہ ہوگا، جو ذکرِ الٰہی سے خالی گزر گئی۔“

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”وہ میرا پورا غلام ہے جو مرتے دم تک مجھ کو یاد رکھتا ہے۔“ (ترمذی)

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”ذکرِ الٰہی سے زیادہ انسان کیلئے کوئی چیز عذابِ الٰہی سے نجات دہندہ نہیں۔“

بخاری شریف سے روایت ہے کہ: حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہل ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں، جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے، اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے۔ چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمان دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے پھر انہیں میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جسمیں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا۔ دُعا ہے کہ اللہ ربّ العالمین ہمیں اپنے ذاکرین اور مقرب بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین!

توحیدی مشن کی ترویج اور طریقہ کار

(احمد رضا خان)

اگر چہ بیشتر احباب جو سلسلہ توحیدیہ سے باقاعدہ طور پر منسلک ہیں جو ان باتوں کو جانتے ہیں مگر یاددہانی کے طور پر مختصر سی بات توحیدی مشن کے بارے میں کہنا چاہوں گا۔

توحیدی مشن دراصل وہی مشن ہے جو اسلام اور قرآن کا مشن ہے ۔قرآن حکیم کامیاب لوگوں کے مختلف درجے متعین کرتا ہے ۔انہی درجوں کے مطابق ان سے آخرت میں سلوک کیا جائے گا۔سورۃ واقعہ میں تین گروہوں کا تذکرہ ہے ۔پہلا گروہ دائیں ہاتھ والوں کا، دوسرا بائیں ہاتھ والوں کا ۔تیسرا آگے بڑھ جانے والوں کا ۔تو خوب یاد رکھنا چاہیے کہ سلسلہ توحیدیہ کا مشن ایسے افراد کی تیاری ہے جو تیسرے گروہ والے مقربین بارگاہ ہوں۔

انسان اللہ تعالیٰ کی شاہکار مخلوق ہے ۔اللہ نے خود فرمایا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:70)

ترجمہ: "اور ہم نے اولاد آدم کو فضیلت بخشی"۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا: ونفخت فیہ من روحی۔" اس میں اپنی روح پھونکی"۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم:30)

انسان کو عقل سلیم اور ارادے جیسی بیش بہا قیمتی نعمتیں ودیعت کیں ۔ان تمام نوازشات کا بنیادی مقصد یہ رکھا کہ حضرت انسان ان صلاحیتوں کو کلی طور پر استعمال میں لاتے ہوئے اپنے اور اس کائنات کے خالق و مالک کو پہچان لے اور اپنے ارادے و عقل کو بخوشی surrender

کردے۔جیسا کہ قرآن کے مطابق (**وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون**)
جنوں اور انسانوں کو اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا۔حضرت ابن عباسؓ سے منقول (تفسیری روایت
کے مطابق)اس آیت میں لیعبدون سے مراد لیعرفون ہے۔عرفان خدا یعنی معرفت ربّ ہے۔
مگر اس عرفان کے حصول کو اتنا مشکل بنا دیا کہ خود کہا۔(لقد خلقنا لانسان فی کبد (البلد)
ترجمہ: "تحقیق ہم نے انسان کو سخت مشقت میں پیدا کیا"۔ ایک اور جگہ فرمایا گیا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِيْ أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ o ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِيْنَ o

ترجمہ: ''ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا پھر اسے گھٹیا سے گھٹیا حالت میں کردیا''۔
(سورۃ التین)

شیطان اور نفس جیسے مہلک دشمنوں کو طرح طرح کے خطرناک ہتھیاروں سے لیس کر کے انسان کے پیچھے لگادیا اور کھلے مقابلے کے لیے اس دنیا کا انتخاب کیا۔اپنے اس شاہکار مخلوق کو عقل اور ارادے کے حقیقی استعمال یعنی اپنی معرفت کا طریقہ سمجھانے کے لیے اپنے نمائندے بمعہ Guide Books بھیجے۔ ہماری ذات اور گرد اگرد اپنی بے مثال کاریگری کی لاتعداد نشانیاں رکھدیں، جو ہماری عقل کو اسکے عظیم وجود سے متعارف کرواتی ہیں۔بقول علامہ اقبالؒ

تو زمیں کے لیے ہے نہ آسمان کے لیے
جہاں ہے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے

جتنا بڑا انعام ہوگا اتنی بڑی سزا بھی ہوگی کے اصول کے مطابق جو انسان ان نعمتوں کی ناقدری کرے گا۔ان سے اپنے مالک کی پہچان و بندگی کا کام نہیں لے گا اسے اسکے دیے گئے وقت کے بعد بھگتان بھگتنا پڑے گا۔اسی بےقدری کا نام جہنم ہے۔

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تائیدایزدی سے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ یہی ہے کہ انسانی مقصد حیات کی چوٹیوں کو مسخر کرنے کیلئے ایک latest version

موجودہ دور کے مطابق تیار کیا۔ جس میں ذکر و فکر کے امتزاج، مکارم اخلاق کی پابندی، جدید ترین ماڈرن اپروچ انسانیت کے لیے نفع بخش ثابت ہوتے ہوئے اور روحانی نسبت کے ذریعے مسلمانوں کے تن سوختہ میں نئی روح داخل کی جا سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب حضرت انسان کو دی گئی صلاحیتوں کا امتحان لینے کے لیے اس خطہ ارضی کی تجربہ گاہ میں بھیجا تو اسکو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا بلکہ اپنے بہترین نمائندوں کو وقتاً فو قتاً یاددہانی کے لیے بھی بھیجا۔ جنکی تعداد کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ قرآن خود کہتا ہے "لکل قوم ہاد" "ہر قوم کے لیے رہنما آئے۔ انبیاء و رُسل کا یہ سلسلہ آقائے نامدار احمد مجتبیٰ ﷺ پر ختم ہو گیا۔" آپ ﷺ کا فرمان ہے بنی اسرئیل میں ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرا نبی اسکا جانشین ہوتا جبکہ میرے بعد نبی نہیں خلفاء ہوں گے۔

آپ ﷺ کے بعد تبلیغ و دعوت کی ذمہ داری اُمت کو تفویض کر دی گئی۔ قرآن کریم نے جا بجا اس ذمہ داری کی بابت بیان کیا ہے۔ صرف چند آیات ملاحظہ ہوں:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: "تم بہترین امت ہو ان میں سے جو لوگوں میں سے نکالی گئیں، بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔

یعنی پوری امت مسلمہ کو بھلائی کی دعوت اور برائی سے روکنے کا نبوی منصب عطا ہو رہا ہے اور اسی ذمہ داری کی وجہ سے انہیں خیر امت کا لقب بھی عطا ہوا۔ مزید فرمایا

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُون (آل عمران:۱۰۴)

ترجمہ: "اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیے کہ جو بھلائی کی طرف بلائے نیکی کا حکم دے

اور برائی سے منع کرے۔یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں''۔

بعض علماء نے اس آیت میں موجود ''ایک گروہ'' سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ تبلیغ کا کام فرض کفایہ ہے یعنی اگر پوری امت میں سے کچھ لوگ یہ کام کررہے ہیں تو پوری اُمت مسلمہ بری الذمہ ہے اور اگر یہ کام کوئی جماعت نہیں کررہی تو پوری امت گناہ کا ارتکاب کررہی ہے۔(یہاں یہ بات دھیان میں رہنی چاہیے کہ بحثیت توحیدی ہم نے جو بیعت کی ہے وہ ہمیں عوام سے ممتاز کرتی ہے،اور ہم نے خود ہی اپنے آپ کو اس پیغام رساں گروہ کا حصہ بنایا ہے۔

ایک اور جگہ ان الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِيْن

(فصلت: ۳۳)

ترجمہ:''اور اس شخص سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں''۔

اس جگہ خیر کی طرف بلانے کے الفاظ کی بجائے کہا جارہا ہے ''دعا الی اللہ''یعنی اللہ کی طرف بلاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بالکل یہی انداز ایک پکے توحیدی کا ہوتا ہے۔سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم ہو،اسکا موٹوگرام ہو،ہمارے بزرگان کی مجالس ہوں ہر جگہ مرکزی حیثیت اللہ ہی کی ہوتی ہے۔المختصر اس مضمون کی اور کئی آیات قرآن کریم میں مختلف مقامات پر بیان ہوئی ہیں۔اس موضوع پر ایک حدیث مبارکہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمہ: ''تم میں سے جو کوئی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اگر اسکی طاقت نہیں رکھتا تو زبان سے،اگر اسکی طاقت بھی نہیں رکھتا تو دل سے،یہ ضعیف ترین ایمان ہے''۔

اس حدیث کے ترجمے میں عام طور پر '**فلیغیرہ** ''کا ترجمہ روکنا کیا جاتا ہے یعنی برائی کو ہاتھ سے روک دے۔مگر دیکھنے کی بات ہے کہ تغیر کا لفظ عام طور پر تبدیلی کے معنوں میں بولا

جا تا ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں یہاں **فلیغیرہ** سے مراد برائی کو بھلائی سے بدلنا ہے۔اور یہ اسی وقت ہو گا جب (قوت نافذہ) آپ اتنی طاقت کے مالک ہوں گے۔(ایک مرتبہ بابا جان قبلہ ڈار صاحبؒ کے پاس بیٹھا تھا کہ آپؒ نے اسی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ سب سے آخر میں فیںنقلبہ فرمایا گیا ہے کہ برائی کو دل کے ذریعے بھلائی میں تبدیل کردو۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک فقیر آدمی روحانی طاقت کے ذریعے دوسروں کی برائیاں چھڑوا سکتا ہے۔بہر حال ہمارا مقصد یہ جاننا تھا کہ کیا قرآن وسنت ہمیں دعوت دین اور دعوت الی اللہ کی ذمہ داری سونپتا ہے؟اور ہم نے جانا کہ قرآن وسنت اور صحابہ واولیاء کی زندگیوں سے ہمیں اس سوال کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔

دعوت دین دینے کے حوالے سے دو متضاد آراء اکثر سننے میں آتی ہیں۔پہلی رائے یہ ہے کہ"انسان سب سے پہلے اپنی اصلاح کرے"جب وہ اس قابل ہو جائے تو اسکے بعد دوسروں تک پیغام پہنچائے۔جیسا کہ عام مقولہ ہے"تجھے پرائی کیا پڑی،اپنی نبیڑ تو"تو اس طرح کئی بھائی اس گمان کے تحت اپنے کام سے کام رکھنے کا رویہ اپناتے ہوئے سالہا سال اسی کیفیت میں گزار دیتے ہیں۔

دوسری رائے اس ضمن میں یہ ہے کہ ہر مسلمان خیر کی دعوت پھیلانے اور شر سے روکنے کا پابند ہے۔جیسا کہ نبی کریمﷺ کا فرمان ہے۔"بلغو عني ولو آية" مجھ سے چھوٹی سی بات بھی سنو تو آگے پہنچاؤ۔اس موقف کے ماننے والوں کا کہنا یہ ہے کہ امر بالمعروف دراصل فرد کی ذاتی اصلاح کا ہی ایک سبب بن جاتا ہے کہ جب کوئی آدمی خیر کی دعوت کو آگے پھیلاتا ہے تو چاہے وہ خود اس کا پابند نہ بھی ہو تو اس شرم یا احساس (کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے) کے تحت خود بھی خیر میں راسخ ہو جاتا ہے۔دعوت دینے کا عمل خود اسکی تربیت کا سبب بن جاتا ہے۔

ان دو آراء کے بعد ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ سلسلہ توحیدیہ ہمارے لیے کونسا راستہ تجویز کرتا ہے؟ بابا جان انصاری صاحبؒ کے دور میں کیا ہوتا تھا۔ہر بھائی کسی نہ کسی جاننے والے کو

حلقہ ذکر میں یا بابا جان کے پاس لے جاتا تھا۔حلقہ میں خادم یا مجاز نئے آنے والے پر محنت کرتے جیسا کہ طریقت توحیدیہ میں خادم حلقہ کے فرائض اور مجاز کا فرض کے تحت منقول ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے۔کہ دعوت دینے اور اصلاح کرنے میں فرق ہے۔اصلاح وہی کرسکے گا جو اسکی اہلیت رکھے گا۔چونکہ عملی سلوک میں ہر وقت شیخ سے توجہ لینے کی ضرورت ہوتی ہے اور جب کچھ طاقت آجائے تو مبتدی پیر بھائیوں کو توجہ دینی بھی پڑتی ہے۔ ''یاد رکھو تم سلسلہ توحیدیہ میں صرف اس لیے شامل ہوئے ہو کہ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ تم سے خوش اور راضی ہو جائیں۔تم نیک بن جاؤ، دین اور دنیا دونوں میں سرخرو ہو جاؤ۔تم خود اپنی اصلاح کرو اور دوسرے مسلمانوں کی خدمت اور اصلاح کرسکو''۔یہاں بابا جان دونوں جگہوں پر اصلاح کرنے کے لیے پہلے ذاتی اصلاح کی بات کر رہے ہیں۔جبکہ صرف دعوت دینے کے لیے یہ شرط نہیں جیسا کہ بانی سلسلہؒ کے دور میں ہوتا تھا۔ہم دیکھتے ہیں۔ایک بھائی خود تعلیم پر عمل کرنے میں سستی کرتا ہے مگر اسکی دعوت پر ایک آنے والا ایک نووارد مختصر عرصے میں اس سے آگے نکل جاتا ہے۔

بعض اوقات نفس بھی انسان کو اس دھوکے میں مبتلا رکھتا ہے کہ پہلے اپنی اصلاح کرلوں بعد میں اس پیغام کو پھیلاؤں گا۔یہ علیحدہ بات ہے کہ صرف دعوت کے لیے بھی خاص طریقہ کار اور حکمت وعقلمندی کی ضرورت ہوتی ہے۔مگر تجربہ سے ثابت ہے کہ بزرگوں کی مجلس میں بیٹھنے والے اور قرآن حکیم کا باترجمہ مطالعہ کرنے والوں میں یہ حکمت پیدا ہو جاتی ہے۔

(جاری ہے)

علامہ اقبالؒ اور نوجوان نسل

(عبدالرشید ساہی)

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

علامہ اقبالؒ جن کو قوم نے حکیم الامت کا بھی خطاب دیا اپنی قوم کی حالت زار پر بے حد پریشان تھے لیکن خصوصی طور پر نوجوان نسل کی بے راہ روی اور چال چلن کے بارے میں بڑے متفکر رہا کرتے تھے دراصل علامہ اقبالؒ نے اسلامی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا اور قرآن مجید کی روح تک رسائی حاصل کی۔ ترجمہ: "ہم اس کیلئے راہیں آسان فرما دیتے ہیں اسی طرح جو انسان قرآن مجید کی روح تک رسائی چاہتا ہے اس کیلئے علم القرآن کو آسان کر دیا جاتا ہے"۔ مفکر حضرات کہتے ہیں کہ جذبوں کی شدت منزلوں کو قریب کر دیتی ہے جو انسان بھی ذات یکراں پر بھروسہ کر کے ثابت قدم بن جاتا ہے خدائی قوتیں اس کے ہمرکاب ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کی مدد کے لئے فرشتے نازل فرماتے ہیں علامہ اقبالؒ خدائی علوم کا ماہر تھا درون خانہ ہنگاموں سے واقف تھا راز دان فطرت تھا

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

علامہ اقبالؒ نے ساری زندگی امت مسلمہ کو خواب غفلت سے جگانے میں صرف کر دی مسلم نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں اے نوجوان مسلم کبھی تم نے

غور نہیں کیا کہ تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو تمہیں بے حیائی، فحاشی اور عریانی زیب نہیں دیتی مشقت کی عادی قومیں ہی حکمرانی کرنے کا حق رکھتی ہیں وقت کی قدر کرو اور ایمانداری اپناؤ۔ سچائی ہی دین کی بنیاد ہے۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا

علامہ اقبالؒ مسلم نوجوانوں کے خطاب میں فرماتے ہیں:

تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سر دارا

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں تجھے اس قوم نے آغوش محبت میں پالا ہے جس نے اس وقت کی سپر پاور ایران کو تسخیر کیا اور بادشاہ کے تاج و تخت پاؤں میں روند ڈالے مسلمانوں کی طوفانی یلغار کے سامنے کفر کی کوئی طاقت بھی نہ ٹھہر سکی خلیفہ مسلمان نے اپنے دور حکومت میں عیسائی بادشاہ فیڈرک اور لوئی کا سارا نشہ ہرن کر دیا۔ محمد بن قاسم نے راجہ داہر کا سارا غرور خاک میں ملا دیا وہی مجاہدوں کا نعرۂ تکبیر جس نے ایران و روما میں طاقتوں کو نابود کر دیا اور قیصر و کسریٰ کا ناقابل تسخیر ہونے کا دعویٰ باطل ثابت کر دیا خدائی دعویٰ کرنے والے مغرور شداد، ہامان اور ابوجہل جیسے عاقبت اندیش صرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی حمیت اور غیرت نے جب بھی جوش مارا، راستے میں حائل ہر چٹان تنکا ثابت ہوئی۔ مسلمانوں نے اپنی تاریخ کے اوراق کو ہمیشہ نوک شمشیر سے رقم کیا ہے قوت ایمان کی تابناکی نے تمام مصنوعی روشنائیوں کو ماند کر دیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی، ٹیپو سلطان، طارق بن زیاد، یوسف بن تاشفین، حجاج بن یوسف، محمد بن قاسم، خالد بن ولید اور سعد بن ابی وقاص جیسے جرنیل کسی اور قوم نے پیدا نہیں کیے۔

نوجوان مسلم مت بھولیں اس تاریخ کو جو تمہارے آباؤ اجداد نے اپنے خون جگر سے رقم کی۔ یاد کر ماضی کے ان لمحات کو، جب کہ ہر طرف چاہے یورپ کے کوہسار ہوں یا افریقہ کے ریگزار، مسلم مجاہدوں کی یلغار سے سہمے رہتے تھے۔ انگریز عورتیں مسلم جرنیلوں کا نام لے کر بچوں کو سلایا کرتیں تھیں۔ انگریز حیدر علی اور ٹیپو سلطان سے ہمیشہ خائف رہا۔ آزادی کے نخلستان صرف اسی خطہء زمین پر لہلہاتے ہیں جو شہیدوں کے خون سے سیراب ہوتی ہے عزت و آزادی کی داستانیں ہمیشہ اس خون سے لکھی جاتی ہیں جو بہنے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔ دن رات مشقت کرنے والی قومیں ہی دنیا پر کامرانی کا حق رکھتی ہیں۔ آیئے! آئینہ ایام میں اپنے چہروں پر نظر ڈالیں کیا ہم نے مولا مرضی کا اسلام اپنایا ہوا ہے؟ نہیں بالکل نہیں بلکہ ہم نے من مرضی کا اسلام روبہ عمل کیا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں کوئی قوم اگر سب سے زیادہ پٹ رہی ہے تو وہ مسلمان قوم ہے۔ جس قوم کی تقدیر میں ناکامی نامرادی اور شکست کا نام ونشان نہیں تھا وہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اغیار کے جوتے چاٹ رہی ہے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

دراصل وہ اصول اور ضابطے جن کی وجہ سے قرون اولی کے مسلمانوں نے حکمرانی کی آخری حد کو چھوا وہ ہم نے فراموش کر دیئے۔ قرآن مجید کے احکامات کو فراموش کر دیا۔ نبی رحمت ﷺ کے فرمان کو پس پشت ڈال دیا۔ بددیانتی، بے حیائی، رشوت خوری اور عریانی نے ہماری بربادی کا سامان پیدا کر دیا۔ مرکز تعمیر ملت سے میں ایک کتاب لایا ہوں (حمود الرحمان کمشن رپورٹ) مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کیسے بنا یقین کریں کہ مجھے تو شرمساری ہو رہی ہے کہ پاکستانی امراء زعماء اور سیاسی دیوتاؤں نے بے غیرتی اور ذلالت کی حد کر دی ہے۔

ہے غارت چمن میں یقیناً کسی کا ہاتھ
پتوں پہ انگلیوں کے نشاں دیکھ رہا ہوں

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے
جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

دل دکھتا ہے جب دیکھتا ہوں کہ میرے ملک پاکستان کے ہر نوجوان کے ہاتھ میں بے حیائی کا اوزار ہے۔کانوں میں ٹوٹیاں لگی ہیں۔آنکھیں موبائل پر انڈین فلمیں دیکھ رہی ہوتی ہیں اور کان گانے سن رہے ہوتے ہیں،ٹی وی پر ایسے ایسے بے حیا مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ غیرت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ابھی دو دن کی بات ہے کہ میں ڈیرہ پر بیٹھا تھا کہ دو تین عورتیں برتنوں میں کھانا اٹھائے جارہی تھیں۔میں نے دریافت کیا کہ کہاں جارہی ہو۔جواب ملا امی جی حضور قادری قلندری کے مزار پر جارہی ہیں۔میں نے کہا جاؤ یہ کھانے اپنی امی جی حضور کو کھلا دیا کسی یتیم مسکین کے گھر دے آؤ،وہاں مزار پر تو بھنگی اور چرسی کھائیں گے۔اللہ کی طرف سے تمہیں کوئی صلہ نہیں ملے گا اور بتاتا چلوں وہ امی حضور ایک مجذوب عورت تھی۔لوگ اس کو اپنے پاس بھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔وہ دنیا سے چلی گئی تو اس کو قادری قلندری بنا دیا گیا۔یہ ایک بہت بااثر مافیا ہے جو اس دھندہ سے وابستہ ہے۔نذرو نیاز اور نذرانے وصول کئے جاتے ہیں۔

میرے دوست ہیں جو کہ بابا جی پیر شاہ کے دربار پر گدی نشین ہیں ایک مرتبہ انہوں نے ہمیں پیر شاہ کے میلہ پر دعوت دی جب ہم وہاں گئے تو AC والے کمروں میں بٹھا کر ہمارے لئے ہر قسم کا گوشت اور فروٹ سے ہماری خاطر تواضع کی گئی۔جب وہ ہمیں See off کرنے باہر تک آئے تو وہاں ہر قسم کا نشہ سر عام استعمال ہو رہا تھا۔میں نے کہا عدنان صاحب یہ تمہاری زیر سرپرستی دھندا جو ہو رہا ہے اس کا سارا بوجھ قیامت والے دن تمہاری گردن پر ہوگا۔ تو عدنان صاحب نے فرمایا ساحی صاحب! اگر ہم نشے والی چیزوں پر پابندی لگا دیں تو میلہ پر کوئی آدمی بھی آنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔کتنا سچ تھا اس کی بات میں۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ
کہ رسمِ خانقاہی ہے فقط اندوہ دلگیری

عزیز بھائیو!۔کہاں تک سناؤں کہاں تک سنوں گے یہ غم کی کہانی

غرض میں کیوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیرو جہاں دار و جہانبان و جہاں آرا

وہ قوم جو واقعی قوم تھی ہم تو قوم نہیں بھیڑوں کا گلہ (ریوڑ) ہیں وہ قوم جہان کو فتح کرنے والی اس پر حکومت کرنے والی اس کی نگہبانی کرنے والی اور مفتوح علاقوں کو سجانے والی، اعلیٰ ترین منتظم قوم ۔ہم اکٹھا کرنے کیلئے یا بیمار کی شفایابی کیلئے اور اللہ کے بندے یہ قانون کی کتاب ہے یہ ضابطہ حیات ہے یہ مسلمانوں کی رہنما کتاب ہے یہ زندہ کتاب ہے، روشن کتاب ہے جو اس پر عمل کرتا ہے اس کو بھی روشن اور مردہ کو زندہ کر دیتی ہے ۔اس لا ریب کتاب کو یقین سے پڑھیں اور اس پر عمل بھی کریں

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج کل قوم کے نوجوانوں کو کالجوں میں مخلوط تعلیم میسر ہے جس کی وجہ سے ان کے پاس وقت ہی نہیں ہے کہ وہ اس بات پر بھی غور کریں کہ وہ کس جری، بہادر، فیاض، غیرتمند اور عادل قوم سے تعلق رکھتے ہیں ۔عدل کی معاشرہ کو اتنی ضرورت ہے جتنی انسان کو زندہ رہنے کیلئے آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے لیکن افسوس صد افسوس! عدل کے معیار کا جنازہ نکل چکا ہے ۔انصاف تو بکتا ہے ۔مظلوم انصاف کے حصول کی خاطر عدالتوں سے سر ٹکرا کر مرجاتے ہیں مگر انصاف ندارد۔ انصاف کرنے والوں کے اوپر کوئی Grip نہیں ہے ۔

خدا انہیں کسی طوفان سے آشنا کر دے آمین

؎ لا ؤں و ہ تنکے کہا ں سے آ شیا نے کیلئے
بجلیا ں بے تا ب ہو ں جن کو جلا نے کیلئے

؎ جلا تا ہے مجھے یہ شمع د ل کو سو ز پنہا ں سے
تیری تا ریک راتوں میں چرا غاں کر کے چھوڑوں گا

جس قوم کی ہدایت کیلئے ایسا رسول مکرم ﷺ مبعوث کیا جائے ،قر آن جیسی روشن اور مدلل کتاب نا زل کی جائے ،ہرلحہ ان کواسلام کی حقانیت کے معجزات کا مشاہدہ کرایا جائے اوران کی اصلاح کی انتہائی کوشش کی جائے لیکن وہ قوم پھر بھی پستی سے نکل کر بلندی کی طرف ،گمراہی سے ہدایت کی طرف اور باطل سے حق کی طرف آنے سے انکار کرتی رہے ۔تو اس قوم کا بجز اس کے کیا علاج ہے کہ اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تا کہ وہ باطل عقائد کی غلاظت اور غلط اعمال کی عفونیت سے آلودہ رہے اور اسی حالت میں دم توڑ دے ۔اللہ تعالیٰ جس طرح کسی کو برائی پر مجبور نہیں کرتا اسی طرح وہ کسی سے جبراً نیکی بھی نہیں کروا تا ۔یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے اور انسان کو جو شرف تمام کائنات پر عطا فرمایا گیا ہے اس کے بھی منافی ہے ۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

قو م مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذ ب با ہم جو نہیں محفل ا نجم بھی نہیں

مذہب چند ایسے قواعد وضوابط کا مجموعہ ہے جن پر عمل کرنے سے انسان اس دنیا میں بھی آرام وآسائش کی زندگی بسر کرسکتا ہے اور مرنے کے بعد بھی اچھا مقام حاصل کرسکتا ہے مذہب ہی زندگی کے ہر گوشہ اور ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتا ہے خصوصاً ہمارا مذہب اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے ہمارے قانون کی کتاب قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بیسیوں جگہ خوب کھول کھول کر بتادیا ہے کہ اللہ تمام کائنات کا مالک وخالق ہے اور اس کی ہر شے پر قادر ہے وہ حاضر و ناظر ہے سمیع وبصیر ہے ۔مذہب نے ہی انسان کو انسان سے محبت کرنا سکھایا اور ایک دوسرے کے

کام آنے بلکہ خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت و آرام پہنچانے کا درس دیا۔علامہ اقبالؒ نے مسلم جوانوں سے خصوصی خطاب فرمایا ہے نوجوان نسل ہی قوم کی امنگوں کی ترجمان ہوتی ہے اسی عمر میں کچھ کرگزرنے کا جذبہ اپنے عروج پر ہوتے ہیں نوجوان طبقہ ہی عروج پر جانے کیلئے بے تاب ہوتا ہے۔

اگرچہ اندازِ بیاں شوخ نہیں لیکن
شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

یہ دنیا جس کی دلچسپیوں میں ہم کھو کر رہ گئے ہیں ہماری عارضی آرام گاہ ہے ہمیں ایک دن یہاں سے رختِ سفر باندھنا ہے اور اپنے علیم و خبیر ربّ کی عدالت میں پیش ہونا ہے وہاں ذرّے ذرّے کا حساب ہوگا سب پردے اٹھا دیئے جائیں گے اور حقیقت بے نقاب کردی جائے گی ہمیں اس امتحان کی تیاری میں مصروف رہنا چاہئے۔

اخلاص

(سیّد خورشید احمد گیلانی)

اسلام میں تمام اعمال کا دارومدار اخلاص پر ہے، وہ عمل، عمل نہیں جس میں اخلاص نہ ہو، زندگی بھر کی عبادت اس وقت اکارت ہوجاتی ہے جب اس میں اخلاص نہ رہے۔ انسانوں کے تعلقات بھی اگر اخلاص پر استوار ہوں تو پائیدار رہتے ہیں تو آخر بندے کا تعلق اللہ کے ساتھ اخلاص کے بغیر کیسے قائم رہ سکتا ہے۔ انبیاء کرام نے آغازِ کار ہی میں واضح کر دیا:

مَا اَسْئَلُکُمْ علیہ اجراً ان اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہ

ترجمہ: ''میں تم سے کوئی حق الخدمت نہیں لوں گا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے۔''

قرآن مجید ریاء کارانہ عمل کو منافقین کا فعل قرار دیتا ہے، کوئی شخص اگر دکھلاوے کو مال خرچ کرے تو وہ کسی اجر و ثواب کا مستحق نہیں ہوتا۔ قرآن مجید اس کے اس عبث فعل کی وضاحت ان الفاظ میں کرتا ہے:

ترجمہ: '' جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے، نہ آخرت پر، اس کے خرچ کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔''

حدیث میں وارد ہے: ''جو شخص دکھانے کیلئے نماز پڑھے مشرک ہے، جو شخص دکھاوے کا روزہ رکھے وہ شرک کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور جس نے لوگوں کیلئے صدقہ دیا وہ بھی مشرک ہے۔''

الغرض دین خلوص اور اخلاص کا دوسرا نام ہے، جس میں اخلاص نہیں اس میں دین نہیں، نماز روزہ، حج، زکوٰۃ ہو یا صدقہ، جہاد ان سب کی بنیاد اخلاص نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

شیطان کے کاموں میں سرفہرست یہی داؤ ہے کہ انسان کو رحمان کے معاملے میں اخلاص سے محروم کردے اور نتیجے کے طور پر نماز محض ڈیوٹی بن کر رہ جائے، روزہ بغیر بھوک پیاس برداشت کرنے کے مکمل بے ثمر رہے، زکوٰۃ صرف تاوان ہی سمجھی جائے اور حج سفر اور سفر کی کلفتوں کا مجموعہ بن جائے، جہاد داد شجاعت دینے کا ذریعہ اور صدقہ شہرت کا وسیلہ۔

تجربہ شاہد ہے کہ وہ بوٹا اُگ ہی نہیں سکتا جسے پانی نہ ملے، ایسے ہی وہ عبادت نتیجہ خیز ہو ہی نہیں سکتی جس کی بنیاد اخلاص نہ ہو۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں: ''یاالٰہی! میں جہنم کے ڈر یا جنت کے طمع میں تیری عبادت نہیں کرتا بلکہ تو عبادت کا مستحق ہے، اس لئے تیری عبادت کرتا ہوں۔''

صوفیاء کرام نے بھی ہمیشہ اسی اخلاص کو لوگوں میں عام کرنے کی کوشش کی۔

شیخ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں: '' اللہ کے ساتھ بغیر مخلوق اور مخلوق کے ساتھ بغیر نفس کے معاملہ کر۔'' یعنی عبادات مخلوق کی خوشنودی کے بغیر ہوں اور معاملات نفس کی خواہش کے علی الرغم، اخلاص پر مبنی ہوں۔ علم پر نازاں اور زہدان خشک ہمیشہ ''خود بینی'' کے مرض میں مبتلا رہے ہیں، مگر صوفیاء کرام نے اپنے دائرہ اثر میں ''خود شکنی'' کو رواج دیا کیوں کہ اخلاص کا یہی تقاضہ ہے۔ انسانیت کے ماتھے پر بدترین داغ یہ ہے کہ انسان کے ظاہر و باطن میں مطابقت نہ ہو، زبان پر ''عشق'' کا دعویٰ مگر دل میں ''فسق'' بھرا ہوا ہو۔ ماتھے پر بظاہر عبادت کے باعث سیاہ رنگ کا محراب ہو لیکن دل پر اس سے بھی زیادہ سیاہ نقطہ ہو، انسان کی جلوت رحمانی مگر خلوت شیطانی ہو، دیکھنے میں انسان اور پرکھنے پر حیوان ثابت ہو۔ اس بے آہنگی اور عدم مطابقت کو صوفیاء کرام نے یکسانیت میں بدلنے کی کوشش کی۔ حذیفہ مرعشیؒ فرماتے ہیں: ''اخلاص یہ ہے کہ بندے کے ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو۔''

اخلاص کی تین نشانیاں ہیں، عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہو، اعمال میں اپنے اعمال کو دیکھنا بھول جائے، آخرت میں اپنے صلہ کا بے قراری سے منتظر نہ ہو۔'' خالص عمل وہ ہے جس کا فرشتوں تک کو پتہ نہ ہو، کہ لکھ سکیں اور نہ شیطان کو خبر ہو کہ بگاڑ سکے اور نہ

نفس کو علم ہو کہ اس پر فخر کر سکے۔ کسی بھی کام کو محض خوشنودیٔ ربّ اور رضائے الٰہی کیلئے کرنا اگرچہ کٹھن ہے، لیکن اخلاص کا مرتبہ یونہی نہیں مل جاتا، اس کے لئے بہر کیف نفس اور خواہشاتِ نفس کو قربان کرنا پڑتا ہے، اس امر کا ہر ایک کو احساس ہے کہ جب نفس کو لذات سے محروم رکھا جاتا ہے تو وہ زخمی درندے کی طرح پلٹ پلٹ کر حملے کرتا ہے اور جھپٹتا ہے، مگر اخلاص پانے کیلئے یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ نفس کے لئے ہر وہ عمل گراں ہوتا ہے، جس کا محرک اخلاص ہو ایسا کیوں ہوتا ہے، سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں:

''دریافت کیا گیا نفس پر کونسی چیز گراں ہے؟ فرمایا: اخلاص! کیوں کہ اس میں نفس کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔''

علی بن الموفقؒ (المتوفی: ۲۶۵ھ) کی مناجات کا ایک حصّہ یہاں پیش کرتے ہیں جس سے یہ سمجھنے میں آسانی ہوجائے گی کہ اربابِ تصوف اپنے ہر عمل کو خالص کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرتے تھے بلکہ یوں کہیے کہ کوئی عمل خدا کے حضور پیش بھی کیا جاسکتا ہے! جو کھوٹا اور آلودہ ہو، ربّ العزت کے حضور عرض پرداز ہیں:

اے میرے مولا! اگر تو یہ جانتا ہے کہ میں تیری عبادت تیری بنائی ہوئی جہنم کے خوف سے کرتا ہوں تو، تو مجھے اس کا ایندھن بنادے، اگر تو جانتا ہے کہ میں تیری عبادت جنت کے طمع میں کرتا ہوں تو، تُو مجھے اس سے یکسر محروم کردے اور اگر تو جانتا ہے کہ میری عبادت صرف تیرے شوق و دیدار میں ہے تو پھر تیرا جو جی چاہے، میرے ساتھ سلوک کر۔''

یہ اخلاص کی معراج اور نقطۂ کمال کی بہترین مثال ہے جو اس مناجات سے ہمارے سامنے آتی ہے، گویا اُن کے نزدیک شوقِ جنت اور خوفِ جہنم بھی ایک آلائش ہے، جس سے عمل کو آلودہ نہ ہونے دیا جائے، ان کی نظر میں طمع دنیا کا ہو، یا آخرت کا بہر حال طمع ہی ہے اور طمع ہوتے ہوئے اخلاص امر محال ہے۔

ہماری نجات کا واحد ذریعہ: **اجتماعی توبہ**

(ڈاکٹر اسرار احمدؒ)

سورہ الفرقان کی آیت 7 میں ارشادِ ربانی ہے: ''سوائے ان کے جنہوں نے توبہ کی اور جو ایمان لائے اور جنہوں نے بالفعل اچھے عمل کئے تو اللہ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے گا۔'' دنیا میں کسی قوم کے اللہ کے عذاب سے بچنے کی واحد صورت ''اجتماعی توبہ'' ہے اگرچہ دنیا میں کسی معاشرے کے سو فیصد لوگ تو کسی بھی دور میں درست نہیں ہوئے۔ (یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں بھی آخر دم تک کچھ نہ کچھ تعداد میں منافق ضرور موجود رہے) تاہم اگر کسی قوم کے افراد اتنی تعداد میں سچی توبہ کرلیں کہ پھر اپنی دعوت و نصیحت اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے قوم کے اجتماعی دھارے کا رُخ تبدیل کردیں، یعنی بالفاظِ دیگر ایک اجتماعی انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو جائیں، تو اس قوم کی جانب سے ''اجتماعی توبہ'' کا حق ادا ہو جائے گا۔ یہ گویا ازسرِنو ایمان لانے کا کام ہے، جس کا لازمی نتیجہ عمل کی اصلاح ہے، لہٰذا قوم کی اجتماعی توبہ کیلئے اصل اور بنیادی ضرورت یہ ہے کہ .... **اوّلاً**: افراد و اشخاص کی خاصی تعداد اللہ کے حضور میں سچی اور خالص توبہ کرے۔ **دوئم**: اپنے عقائد کی تصحیح کرے اور توحید خالص کا دامن ازسرِنو مضبوطی کے ساتھ تھامے۔ **سوئم**: فسق و فجور کو ترک کرے اور اپنی معیشت اور معاشرت کو حرام اور منکر سے پاک کرے اور **چہارم**: غلبۂ اسلام اور قیامِ نظامتِ خلافت کی منظم جدوجہد کیلئے تن من دھن وقف کردے۔ اس طرح جو منظم قوت وجود میں آئے، وہ ملکی سیاست اور اقتدار کی کشاکش سے بالکل علیحدہ رہتے ہوئے اپنی جملہ مساعی اور تمام تر توانائیوں کو مزاحمتی تحریک کیلئے وقف کردے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں فطری تدریج کے ساتھ

'' بــــالـلـســــان ''یعنی زبان اور نشر و اشاعت کے دیگر ذرائع سے تدریجاً آگے بڑھ کر ''بالید'' یعنی قوت کے ساتھ مزاحمت کی راہ اختیار کرے اور اس طرح ارضِ پاکستان پر اللہ کے دین کو غالب اور اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو نافذ کرے، اگر ایسا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ نہ صرف یہ کہ قیام پاکستان کیلئے جو قربانیاں مسلمانانِ ہند نے دی تھیں، وہ رائیگاں نہیں گئیں، بلکہ مجدد الف ثانیؒ کی جملہ چار سو سالہ تجدیدی مساعی بھی بار آور ہو گئیں۔ اس لئے کہ اس صورت میں ارضِ پاکستان کو فوری طور پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا گہوارہ اور عالمی غلبہ اسلام کا نقطہ آغاز بننے کی سعادت حاصل ہو جائے گی۔

اب ظاہر ہے کہ ہر مسلمان کی دلی خواہش بھی یہی ہوگی کہ ایسا ہو جائے اور اسی کی دُعا بھی ہر قلب کی گہرائی سے بلند ہوگی اور ''جب تک سانس تب تک آس'' کے مصداق ہمیں آخری دم تک کوشش بھی اسی کی کرنی چاہئے۔ لیکن یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس کے کچھ ناگزیر لوازم و شرائط ہیں۔ **اوّلاً** : یہ کہ اجتماعی توبہ کا نقطۂ آغاز لامحالہ انفرادی توبہ ہی ہوتی ہے، لیکن انفرادی توبہ کے ذریعے صرف اُخروی عذاب سے نجات کی ضمانت مل سکتی ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں کہ وہ واقعی ''تـوبۃ الـنصوح'' ہو۔ **دوئم**: یہ کہ آئندہ کیلئے عزم مصمم ہو کہ اس گناہ کا ارتکاب کبھی نہیں کروں گا۔ **سوئم** : یہ کہ بالفعل بھی اس گناہ کو ترک کر دے اور جو کسی کا حق غصب کیا تھا، اس کی تلافی کرے یا بصورت دیگر اس سے معافی حاصل کرے (ورنہ قیامت کے دن حساب کتاب کے وقت ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دی جائیں گی یا مظلوم کی برائیاں ظالم کے حساب میں شمار ہونگی۔)

انفرادی توبہ خواہ کتنی ہی سچی ہو اور انسان ذاتی اعتبار سے خواہ کتنا ہی متقی و صالح اور عابد و زاہد کیوں نہ بن جائے، اگر قوم کی مجموعی حالت تبدیل نہ ہو اور وہ بحیثیت مجموعی عذاب خداوندی کی مستحق بن جائے تو جس طرح چکی میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے، اسی طرح جب کسی قوم پر دنیا میں اجتماعی عذاب آتا ہے تو اس کی لپیٹ میں بدکاروں اور بدمعاشوں کے ساتھ

ساتھ بے گناہ لوگ بھی آجاتے ہیں، جیسا کہ سورۃ الانفال کی آیت ۲۵ میں ارشادِ خداوندی ہے:
''اور ڈرو اس عذاب سے جو تم میں سے صرف بدکاروں اور گناہ گاروں پر نہیں آئے گا اور جان لو! اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے۔''

نیک اور صالح افراد کے عذابِ خداوندی سے بچا لئے جانے کی واحد استثنائی صورت کا ذکر بھی سورۃ التوبہ کی آیت ۱۱۲ میں آیا ہے: ''توبہ کرنے والے، بندگی کا حق ادا کرنے والے، اللہ کی حمد کرنے والے، لذتِ دنیوی سے کنارہ کش رہنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے نیکی کا حکم دینے والے اور بدی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کے محافظ بن کر کھڑے ہو جانے والے''.... اگر ان کی جملہ مساعی کے باوجود قوم بحیثیت مجموعی صحیح رُخ پر نہ آئے اور اعراض اور استکبار پر مصر رہنے کے باعث عذابِ الٰہی کی مستحق ہو جائے تو اللہ اپنے ایسے ''نہی عن المنکر'' کرنے والے بندوں کو دنیا کے رسوا کن عذاب سے بچا کر اپنے دامنِ رحمت میں لے لیتا ہے۔ اجتماعی توبہ کیلئے تجدیدِ ایمان کی عمومی تحریک '' رجوع الی القرآن''شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبالؒ نے اُمتِ مسلمہ کے جملہ امراض کا اصل سبب قرآن سے دوری قرار دیا اور اس کا علاج '' رجوع الی القرآن ''تجویز کیا، چنانچہ جوابِ شکوہ میں ارشاد فرمایا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

اُمتِ مسلمہ کی خواری اور زبوں حالی صرف اسلئے ہے کہ قوم قرآن حکیم سے تعلق توڑ بیٹھی ہے۔گردشِ دوراں کے شکوے خوانخواہ کر رہی ہے۔اے وہ قوم جو شبنم کی طرح زمین پر پڑی ہوئی ہے۔اب بھی اس ''**کتاب زندہ**'' کی جانب رجوع کر لے جو تیری بغل میں موجود ہے، تو تیرے تمام امراض کا مداوا ہو جائے گا اور جملہ مسائل حل ہو جائیں گے۔ہماری ''اجتماعی توبہ'' کا نسخہ یہ ہے کہ ''قرآن سے ایمان حاصل کریں اور ایمان کے روغن سے جہد و عمل کی شمعیں روشن کریں۔ اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

رمضان المبارک میں معمولات نبوی ﷺ

(مرسلہ: فہد محمود بخاری)

ماہ رمضان بڑی ہی برکتوں، سعادتوں اور نعمتوں والا مہینہ ہے۔ رمضان المبارک کے ماہ سعید میں حضور نبی کریم ﷺ کے معمولات عبادت و ریاضت میں عام دِنوں کی نسبت کافی اضافہ ہو جاتا۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ خشیت اور محبت اپنے عروج پر ہوتی۔ اسی شوق اور محبت میں آپ ﷺ راتوں کے قیام کو بھی بڑھا دیتے۔ حضور نبی کریم ﷺ کے معمولات رمضان پر عمل ہمارے لئے باعث رحمت و نجات ہے۔ انہی معمولات کی روشنی میں ہم اس مہینے کی برکتوں اور سعادتوں سے بہرہ یاب ہو سکتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ رمضان المبارک سے اتنی زیادہ محبت فرمایا کرتے تھے کہ اس کے پانے کی دُعا اکثر کیا کرتے تھے اور رمضان المبارک کا اہتمام ماہ شعبان میں ہی روزوں کی کثرت کے ساتھ ہو جاتا تھا۔

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رجب المرجب کا مہینہ شروع ہوتا تو حضور ﷺ یہ دُعا فرمایا کرتے تھے:

اے اللہ! ہمارے لئے رجب اور شعبان بابرکت بنا دے اور ہمیں رمضان نصیب فرما''۔

(مسند احمد بن حنبل: 1:259)

شعبان کی آخری تاریخ کو حضور ﷺ صحابہ کرامؓ کو اہتمام سے جمع فرما کر ان کے سامنے رمضان کی اہمیت و فضیلت، رمضان کے خصوصی اعمال اور ان کے فضائل خطاب کی صورت میں بیان فرمایا کرتے تھے۔ یہ حدیث صحیح ابن خزیمہ اور بیہقی وغیرہ میں اس طرح موجود ہے:

''تمہارے سامنے ایک بڑا مبارک مہینہ آ رہا ہے۔ اس میں ایک رات جو ہزار ماہ سے افضل ہے۔

اس ماہ میں اللہ پاک نے روزہ کو فرض قرار دیا ہے اور جس نے اس ماہ میں کوئی نفل عبادت کی گویا اس نے اس ماہ کے علاوہ فرض ادا کیا (یعنی نفل کا ثواب فرض کے برابر ہو جاتا ہے) اور جس نے اس ماہ میں فرض ادا کیا گویا اس نے ستر فرض ادا کیے۔ (ایک ایک فرض ادا کرنے پر ۷۰ فرض کے ادا کرنے کا ثواب ملے گا)۔ یہ ماہ صبر (مشقت عبادت) کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کا مہینہ ہے، ایسا مہینہ جس میں مومن کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جس کا اوّل (پہلا عشرہ) رحمت کا ہے۔ دوسرا حصہ مغفرت کا ہے اور تیسرا جہنم سے خلاصی کا ہے۔ جو غلام (اور نوکر) کے ساتھ تخفیف (کام کے بوجھ کو ہلکا کرنے) کا معاملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا۔ اور جہنم سے خلاصی مرحمت فرمائے گا۔ اس میں چار چیزوں کو کثرت سے کیا کرو، جس میں دو تو وہ ہیں جس سے تمہیں تمہارے ربّ کی رضامندی حاصل ہوگی اور دو ایسی چیزیں ہیں کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ وہ دو امور جس کے بغیر چارہ نہیں وہ جنت کا سوال (اور اسکی دُعا) اور جہنم سے پناہ مانگنا ہے۔ جس نے روزہ دار کو پانی وغیرہ پلایا، اسے اللہ پاک میرے حوض سے سیراب فرمائے گا۔ جس کے بعد اسے پیاس محسوس نہیں ہوگی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

رمضان کا چاند دیکھنے پر خصوصی دُعا: حضور نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کا چاند دیکھتے تو فرماتے: یہ چاند خیر و برکت کا ہے، یہ چاند خیر و برکت کا ہے، میں اس ذات پر ایمان رکھتا ہوں جس نے تجھے پیدا فرمایا"۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

"جب ماہ رمضان شروع ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کا رنگ مبارک متغیر ہو جاتا، آپ ﷺ کی نمازوں میں اضافہ ہو جاتا، اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دُعا کرتے اور اس کا خوف طاری رہتا۔"

جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو حضور ﷺ صحابہ کرامؓ سے دریافت فرماتے:

"تم کس کا استقبال کر رہے ہو اور تمہارا کون استقبال کر رہا ہے۔ (یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ فرمائے)

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا کوئی وحی اُترنے والی ہے یا کسی دشمن سے جنگ ہونے والی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم رمضان کا استقبال کر رہے ہو جس کی پہلی رات تمام اہل قبلہ کو معاف کر دیا جاتا ہے۔''

روزے میں سحری و افطاری کا معمول

روزے میں سحری کو بلاشبہ بہت مقام حاصل ہے۔ روحانی فیوض و برکات سے قطع نظر سحری دن میں روزے کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔ حضور ﷺ نے اُمت کو تلقین فرمائی ہے کہ سحری ضرور کھایا کرو، خواہ پانی کا ایک گھونٹ ہی کیوں نہ ہو۔ ''سحری سراپا برکت ہے اسے ترک نہ کرو۔'' حضور ﷺ نے فرمایا کہ سحری کرنے والے پر اللہ کی رحمتیں ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ سحری آخری وقت میں تناول فرمایا کرتے تھے۔ گویا سحری کا آخری لمحات میں کھانا حضور ﷺ کی سنت ہے۔ سحری کرنے میں تاخیر اور افطاری کرنے میں جلدی آنحضور ﷺ کا زندگی بھر کا معمول رہا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت کے لوگ بھلائی پر رہیں گے جب تک وہ روزہ جلد افطار کرتے رہیں گے۔''

سحری کھانے کی برکت کئی طرح سے حاصل ہوتی ہے مثلاً اتباع سنت، یہود و نصاریٰ کی مخالفت، عبادت پر قوت حاصل کرنا، آمادگی عمل کی زیادتی، بھوک کے باعث جو بد خلقی پیدا ہوتی ہے، اس کی مدافعت سحری میں کئی حقداروں اور محتاجوں کو شریک کر لینا، جو اس وقت میسر آجاتے ہیں۔

روزے کا مقصد چونکہ پیٹ اور شرم گاہ کی خواہشات کو توڑنا اور درجہ اعتدال میں لانا ہے لیکن اگر آدمی اتنا کھائے کہ جس سے روزے کے مقاصد پورے نہ ہوں، بلکہ ختم ہو کر رہ جائیں اور یہ روزہ کی روح کے خلاف ہے جبکہ عیش پسند لوگ ایسا کرتے ہیں کہ دن بھر کی کسر شام اور

رات بھر کی کسر سحری کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قیام اللیل

رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی راتیں تواتر و کثرت کے ساتھ نماز میں کھڑے رہنے، تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی میں محویت سے عبارت ہیں۔نماز کی اجتماعی صورت جو ہمیں تراویح میں دکھائی دیتی ہے اسی معمول کا حصہ ہے۔حضور نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں قیام کرنے کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

ترجمہ: ''جس نے ایمان و احتساب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اور راتوں کو قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس دن وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے وقت (گناہوں سے) پاک تھا۔''(نسائی، السنن)

کثرت صدقات و خیرات:

حضور نبی اکرم ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صدقات و خیرات کثرت کے ساتھ کیا کرتے اور سخاوت کا یہ عالم تھا کہ کبھی کوئی سوالی آپ ﷺ کے در سے خالی واپس نہ جاتا، رمضان المبارک میں آپ ﷺ کی سخاوت اور صدقات و خیرات میں کثرت سال کے باقی گیارہ مہینوں کی نسبت اور زیادہ بڑھ جاتی۔اس ماہ صدقہ و خیرات میں اتنی کثرت ہو جاتی کہ ہوا کے تیز جھونکے بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکتے۔

اللّٰہ

(صفیہ سلطانہ صدیقی: **مرسلہ**: عبدالحکیم توحیدی)

کبھی ذہن یوں سوچتا ہے کہ .... سب ناموں میں سب سے خوبصورت نام کون سا ہے؟ جواب دل کی طرف سے آتا ہے ''اللّٰہ'' اس کائنات کے سب ناموں سے اچھا نام اللہ تعالیٰ ہی ہے۔وہ حروف کتنے خوش بخت ہیں جن سے مل کر ''اللّٰہ'' کا نام بنتا ہے۔اور اللہ کی ہستی ہی سب سے پیاری ہستی ہے۔شاید آپ کو خیال آئے کہ بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ اللہ سب سے پیاری ہستی ہے۔حالانکہ یہ بات تو طے شدہ (Understood) ہے۔ لیکن ذرا سا غور کریں تو خود ہی سمجھ میں آتا ہے کہ اصل میں سب سے زیادہ پیار کس سے کرتے ہیں؟ آگے بڑھنے سے پہلے چند منٹ ٹھہر جائیں اور سوچیں کہ آپ کی زندگی میں سب سے زیادہ پیاری شخصیت کون ہے؟ آپ کو کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہونا، اپنے ضمیر کے سامنے خود کو حساب کیلئے پیش کردیں اور کم از کم سات شخصیات کو ترتیب وار رکھیں، جن سے آپ کو بہت زیادہ پیار ہے۔پھر ایمانداری سے بتائیں کہ ایثار و قربانی میں، سوچ میں اور مرضی پوری کرتے رہنے کے اس معاملے میں آپ کو کون زیادہ پیارا ہے؟ پھر اس درجہ بندی میں اگر اللہ کا نام ہی سب سے اوپر (Top of the List) آیا ہے تو آپ جیت گئے۔اگر ہم ہر اس محبت کو ٹھکرا سکتے ہیں جو اللہ کی محبت سے ٹکراتی ہے تو یہ دعویٰ سچا ہوگا کہ سب سے پیاری ہستی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ اگر ہم اپنی ہر ضرورت و خواہش کے معاملے میں اس کی مرضی و احکام کو فوقیت دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ہی ہماری نگاہ میں سب سے اہم ہے۔آپ اپنا جائزہ یعنی ٹیسٹ تحریری

طور پر لیں۔ سوچ سمجھ کر جواب لکھیں اور خود کو ''ایمانداری'' سے درست نمبر بھی دیں کہ آپ کے ذہن و دل میں اور آپ کی زندگی میں اپنے پروردگار کیلئے کیا حیثیت اور اہمیت ہے۔؟

یہ سوال نہایت عملی ہے۔جس کا تعلق محض عقیدت مندی یا باتیں بنانے سے نہیں ہے اور عمل کی دنیا میں باتیں بنانے والوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ترقی وہی کرتے ہیں جو عملی کام کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی اہمیت اپنی نظر میں سمجھنے اور جاننے کا پیمانہ اور پرکھنے کی کسوٹی یہ بھی ہے کہ جب ہم اس کی کتاب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو اس کے ہر لفظ پہ پختہ یقین قائم ہوتا ہے؟ اسکی ہر بات کو ہم اپنے عمل میں لے آنا چاہتے ہیں یا ٹال دیتے ہیں؟ یہ بھی نہایت عملی سوال ہے جو ہماری نگاہ میں اللہ کی اہمیت اور عظمت وقدر کو اُجاگر کرتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات کے حوالے سے پہچانتے ہیں لیکن کیا ہم نے ان صفات کے حوالے سے کبھی غور و فکر کر کے اس کی ہستی کو جاننے کی کوشش کی ہے؟

صفات الٰہی کے مطالعہ کی ضرورت:

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بالعموم صفات الٰہی کے مطالعے کے طرف توجہ ہی نہیں کی جاتی۔ جس تفصیل سے مگر آسان انداز میں، عبادات سے معاملات تک موضوعات پر آسان زبان میں مفصل لٹریچر بکثرت موجود ہے اور پڑھا جاتا ہے، صفات الٰہی کے بارے میں ایسا لٹریچر موجود نہیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں پڑھے جانے کا سوال کہاں پیدا ہوگا، یوں.....جس ہستی کے ساتھ ہماری زندگی کی ڈور بندھی ہوئی ہے، اسی سے ہمارا تعلق اتنا غیر واضح اور رواجی سا ہوتا ہے کہ جب ٹھوکر لگتی ہے یا ہم مصائب کے بھنور میں گھر جاتے ہیں تو شہہ رگ سے قریب موجود مددگار سے پہلے غیر اللہ سے مدد کا خیال آتا ہے۔ حالانکہ توحید کے دعوے کے بعد اللہ کے سوا کسی اور کا خیال آنا ہی نہیں چاہیے۔ ہمارے نبی مکرم ﷺ نے ہمیں یہی سکھایا مگر ہم اللہ تعالیٰ کی خوبیوں اور صفات کی طرح اپنے نبی پاک ﷺ کی باتوں اور اوصاف کو بھی بھلا بیٹھے اور ان کی تعلیم سے دور ہو کر صرف عقیدت و محبت کے دعوے پر اکتفا کر لیا۔

کارزارِ حیات کی سب رونق، سارے اعمال سب چیزیں، سب باتیں آخر کس کیلئے ہیں؟ حیات و کائنات کس کی ہے؟ جس کی خاطر سب کچھ ہونا چاہیے اسی کو کوئی جانتا (مکمل تعارف) نہیں۔ جس نے ہر چیز پیدا کی اس سے کسی کا گہرا تعلق نہیں...... ظاہر ہے کہ جب تعارف ہی ادھورا ہو تو تعلق کیسے گہرا ہو سکتا ہے؟ اور ادھورا معمولی تعلق دوستی کو تقویٰ کے درجے میں کیونکر لے جا سکتا ہے اور جو تقویٰ کے درجے میں ہی نہ جا سکتا ہو، فنا فی اللہ ہونا تو دور کی بات، وہ احسان کی منزل کو بھی کیسے پا سکے گا۔؟

ہمارا تو ......اللہ کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں ٹھہرا...... یہی وجہ ہے کہ ہمارے ذہن و دل میں محبت و رضائے الٰہی کا کم سے کم معیار بھی گرتا جاتا ہے۔ پھر سب اعمال بے جان ہو کر "رسم" بن جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر یہ ہمارے سب اعمال فقط رسمیں ہی تو ہیں جو ہم ادا کرتے رہتے ہیں اور ان میں جان ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نہ تو اسلام کا حسن خود ہمیں تسکین فراہم کرتا ہے اور نہ اس کے دل کش حسن کے اسیر ہو کر ہم دنیا کو "حسین" نظر آتے ہیں بلکہ اُلٹا بدصورت اور کمزور دکھائی دیتے ہیں۔ خوفِ خدا کے حسن سے محروم ہو کر دشمنوں کی ہیبت ہمارے چہروں پہ ثبت ہو جاتی ہے۔ اور پھر وہ نبی کریم ﷺ کے الفاظ میں "بھوکوں کی طرح ہم پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔"

اپنے آپ سے سوال کیجئے کہ کیا ہم اللہ کی راہ میں کوئی دکھ یا مشکل جھیلتے ہیں؟ اگر نہیں تو یہ انتہائی شرم کا مقام ہے اور ہمیں برے انجام سے دہشت زدہ ہو جانا چاہیے اور اگر جواب "ہاں" ہے تو پھر فکر کرنی چاہیے کہ جس کی خاطر ہم دکھ جھیل رہے ہیں کہیں وہی تو ہمارے ذہن سے نکلا نہیں رہتا؟ اسی کا تصور تو مدہم نہیں پڑ گیا؟ اور ہم مشکلات اور آزمائشوں کے گورکھ دھندوں میں پھنس کر اسی کو تو بھلا نہیں بیٹھے جس کیلئے سب محنت کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا؟ ہماری موجودہ حالت خدا کے گہرے شعور کی کمی کا نتیجہ ہے، قرآن سے دوری کا شاخسانہ ہے، وہ قرآن جو ہمیں خدا کا لہجہ سناتا ہے، اللہ کا اسلوب بتاتا ہے اس کی خوشی ناخوشی، ناراضی یا سخت ناراضی کے

اسباب الگ الگ سمجھاتا ہے، دل کش و دل فریب الفاظ میں فہمائش کرتا ہے، ڈراتا ہے، توقع دلاتا ہے، محبت سے کہتا ہے، غصہ کرتا ہے مگر کوئی اس قرآن میں غوطہ زن ہونے کو تیار تو ہو؟

ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے دن رات جان توڑ محنت کے بعد اپنے عمل کی خوشبو اور حسین باتوں کے موتیوں سے اُمت محمدیہ کو آراستہ کردیا تھا آج وہ حدیث و سنت گرد آلود شیلفوں کی زینت ہے۔ کیا شاہِ اُمم ہم سے اس پر کوئی سوال نہ کریں گے؟ ان کے دُکھ کا کیا ٹھکانا ہوگا جن کی اُمت نے ان کے سرمائے کو لٹا ڈالا یا بے حسی کے دبیز غلافوں میں بند کر کے رکھ دیا!!! ہماری ذلت اللہ اور اس کے رسول سے دوری اور اجنبیت کی وجہ سے ہے۔ کاش! ہم اس راز کو سمجھنے کا ''وقت نکالیں'' اس لئے ہم..... بڑے ''مصروف'' لوگ ہیں۔ ہمیں فکر معاش ہوتی ہے، بچوں کے دنیاوی تعلیم پر محنت کرنی ہوتی ہے، رکھ رکھاؤ اور لوگوں میں معتبر رہنے کیلئے بہت اہم کام کرنے ہوتے ہیں!!! پھر اللہ کیلئے ...... کب وقت نکلے گا۔ یہ وہ سوالات ہیں جو ہمیں خود سے کرنے ہیں کہ اللہ ربّ العزت کا ہماری زندگیوں میں مرکزی مقام نہیں ہے تو پھر کس کا ہے؟ اور کیوں ہے؟ اپنے ضمیر کی عدالت میں خود کو کٹہرے میں کھڑا کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کام دنیا کی زندگی میں کوئی نہیں کرتا اور.... آخرت میں.. عمل کا وقت نکل چکا ہوگا۔ وہاں کوئی حساب لے گا!! اس سخت حساب و پکڑ سے بچنے کا یہی واحد راستہ ہے کہ آج تیاری کریں کل کیلئے!!! اس یاری کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ جس ہستی کی رضا حاصل کرنا ہماری زندگی کا محور ہے اور جس کے اردگرد ہمیں کولہو کے بیل کی طرح گھومنا چاہیے اسی سے دوستی اور محبت کرنا سیکھیں.... اس کے رستے میں ترقی کرنا سیکھیں، ان فتنہ پرور لوگوں سے بچتے ہوئے جو جا بجا یہ کہتے پھرتے ہیں کہ ''اللہ کو سمجھنے کیلئے اور نجات حاصل کرنے کے لئے آیات قرآنی کافی ہیں۔ یہ جاننے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کیسے کرنا ہے۔ ہم محتاج ہیں قدم قدم پر اپنے نبی رحمت، اپنے رسول کریم ﷺ کے جنہوں نے ہمیں اللہ ربّ العزت کا نمائندہ بن کر مکمل تعارف دیا اور سبھی کچھ سکھایا۔ سورہ آل عمران آیت ۳۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: '' آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری

پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا۔اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

ہماری بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جس اللہ نے ہمیں پیدا کیا اس کو ہم شعوری طور پر نہیں جانتے اس کے متعلق ہمیں کوئی معرفت نہیں۔شاید آپ خفا ہو کر کہیں کہ "ہم کیوں نہیں جانتے اللہ کو" پھر یہ جاننا بھی بھلا کوئی جاننا ہوا،اس عظیم ربّ کے بارے میں جو ہمیں اطلاع دیتا ہے کہ "اگر سب درخت قلم بنا دیئے جائیں اور سب سمندر روشنائی.....تو تیرے ربّ کی حمد نہ لکھ سکیں۔"

اللہ سے ہماری نسبت

اللہ تعالیٰ سے ہماری ایک نسبت جو بہت اہم اور گہری بھی ہے۔ایک حدیث میں حضورﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اپنی عیال (کنبہ) کہتا ہے۔ یہ نسبت معنوی ہے جو پیار لگاؤ اور مطابقت کے رشتے سے اللہ نے اپنی مخلوق کے ساتھ رکھی ہے۔یہ تعلق کا وہ سلسلہ ہے جو ایک عظیم خالق اپنی بہترین مخلوق سے رکھتا ہے،وہ مخلوق جسے اس نے بندگی میں سب پر بلند و فائز کیا ہے۔ اللہ سے ہماری یہ نسبت معنوی ہے صلبی نسبت یا خون کے رشتوں کا محتاج وہ واحد بے نیاز بادشاہ دو جہاں نہیں کہ اسے کسی مخلوق کا سہارا لینا پڑتا!! ہر موحد جانتا ہے کہ اللہ ایک ہے،وہ بے نیاز ہے اس کا اپنے بندوں کو اپنا کنبہ کہنا اور خود کو ستر ماؤں سے زیادہ پیار دینے والی ہستی بتانا،ثابت کرتا ہے کہ وہ اس معنوی رشتے داری کو کس قدر محبوب رکھتا ہے۔

اشرف و اعلیٰ محبت

اللہ تعالیٰ نے جس مخلوق کو اشرف و اعلیٰ بنا کر بھیجا اسی مخلوق سے وہ سب سے زیادہ پیار ،لگاؤ اور تعلق بھی رکھتا ہے۔پھر .... کیا ہم بندے بھی اسی طرح اپنے ربّ سے پیار اور قربت رکھتے ہیں جس طرح وہ ہم سے رکھتا ہے؟ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ حج میں ارشاد فرمایا: "اور تم نے اللہ کی ویسی قدر نہیں کی جیسی کہ قدر کرنے کا حق ہے۔"

اللہ اور بندوں کے تعلق کی اصل

ہمارا اپنے ربّ کے ساتھ جو لگاؤ ہے اسکی اصل تخلیق کرنے کا عمل ہے، یعنی وہ ہمارا خالق ہے اور ہم اس کی مخلوق۔ وہی ہمارے وجود کو حقیر ناپاک قطرے سے اشرف المخلوقات بنا کر اُٹھا کھڑا کرتا ہے۔ یہی اس کی حیرت میں ڈال دینے والی تخلیقی صفت ہے۔ عدم سے وجود میں لانا بہت بڑی بات ہے۔ اور پھر دوبارہ انسان کو بالکل اسی طرح پیدا کرے گا جیسے اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔ مشرکین کے ہنسنے اور ٹھٹھے اُڑانے کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیا کہ جو عدم سے وجود میں لے آیا، وہ دوبارہ کیوں نہیں بنا سکتا؟ ''ہرگز نہیں! ہم تو پورپور دوبارہ ٹھیک بنا دینے پر قادر ہیں''۔ چاہے انسان مٹی میں ملا ہو یا سمندری مخلوقات کی خوراک بنا ہو یا پھر اسے راکھ میں تبدیل کردیا گیا ہو..... اللہ الخالق اُسے پھر بنا کر کھڑا کردے گا۔ اللہ الباری اس کی صورت گری پھر کردے گا، اس کے ایک ایک نقش کو درست بنادے گا۔

اللہ سے تعارف و ربط اور دوستی کا راستہ

اللہ سے تعارف و دوستی اور اس کی قدر کرنے کا صرف ایک راستہ ہے، وہ واحد راستہ اللہ کے ناموں میں غور و فکر ہے۔ چونکہ ہمارے فرائض، ہماری محنت اور توجہ کا سب سے پہلا اور بنیادی حق اللہ کا ہے، لہٰذا ہماری ذات کا مرکز بھی وہی ہونا چاہیے۔ ہماری سب سے زیادہ گہری نسبت اسی کے ساتھ ہے اس لئے سب سے گہرا لگاؤ اور رشتہ اسی سے رکھیں۔ لین دین کا سب سے زیادہ معاملہ اللہ سے ہی ہو۔ ہم اپنی عاجزی کے گل دستے اللہ کے حضور پیش کریں۔ ہماری درماندگی کا احساس اس کے دامن میں پناہ لے کر تسکین پاتا ہے۔ ورنہ ہم سے بہت بہتر عبادت گزار (فرشتے) چپے چپے پہ اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ اللہ کو تو ہمارا متوجہ ہونا اچھا لگتا ہے، اس لئے اس نے ہمیں اشرف المخلوقات اور مسجودِ ملائک بنایا۔ وہ ستر ماؤں سے زیادہ مہربان اور پیار کرنے والا ہے۔

اسلام کا نظریۂ اخلاق

(حمید اللہ شاہ ہاشمی)

انسان کے اندر اخلاقی حِسّ ایک فطری حِس ہے، چنانچہ فطری طور پر یہ بعض صفات کو پسند کرتا ہے اور بعض کو ناپسند. بعض کو اچھا سمجھتا ہے اور بعض کو بُرا۔ یہ حِس انسانوں میں کم و بیش ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی ہی ہے، لیکن مجموعی طور پر شعورِ انسانی نے بعض اخلاق پر خوبی کا اور بعض پر برائی کا ہمیشہ یکساں حکم لگایا ہے۔ مثلاً سچائی، انصاف، ایفائے عہد، امانت، ہمدردی، فیاضی، فراخ دلی، صبر و تحمل، استقلال و بردباری، اولوالعزمی اور شجاعت ہمیشہ سے وہ اوصاف رہے ہیں، جو انسانی اخلاقیات میں تعریف و ستائش کے مستحق سمجھے گئے ہیں اور کبھی کوئی دور ایسا نہیں گزرا جب جھوٹ، ظلم، بدعہدی، خیانت، خودغرضی، سنگدلی، بخل، تنگ نظری، بے صبری، چھچھورپن، تلون مزاجی، پست حوصلگی اور بزدلی کو لائق ستائش اور تحسین و آفرین کا مستحق سمجھا گیا ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی اخلاقیات وہ عالمگیر حقیقتیں ہیں جن کو سب انسان شروع ہی سے جانتے چلے آرہے ہیں۔ تاریخ کے کسی بھی دور میں نیکی و بدی ڈھکی چھپی حقیقتیں نہیں رہیں، یہ انسان کی جانی پہچانی چیزیں ہیں جن کا شعور، انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید اپنی زبان میں نیکی کو ''معروف'' اور بدی کو ''منکر'' کہتا ہے۔ یعنی معروف وہ نیکی ہے جسے سب انسان بھلا جانتے ہوں اور منکر وہ برائی ہے جسے سب انسان برا سمجھتے ہوں۔ اسی حقیقت کو قرآن حکیم دوسرے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (الشمس: ۸)

ترجمہ: ''پھر (نفسِ انسانی) کی بدی اور پرہیزگاری اس پر الہام کر دی گئی''۔

اس سے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نیکی اور بدی جانی پہچانی چیزیں ہیں اور دنیا کے تمام انسان ان پر متفق رہے ہیں اور ہیں تو پھر دنیا میں مختلف اخلاقی نظام اور متفرق اخلاقی نظریئے کیوں ہیں اور پھر ان نظاموں اور نظریوں میں اسلام کے نظام اخلاق کی امتیازی خصوصیات کیا ہیں؟

اس مسئلے کو سمجھنے کیلئے جب ہم مختلف اخلاقی نظاموں پر نظر ڈالیں تو مندرجہ ذیل وجوہ سامنے آتی ہیں۔

۱۔ توازن وعدم توازن ۲۔ قوت نافذہ اور محرکات کا فرق

۳۔ ماخذ کا اختلاف ۴۔ جزئیت وکلیت

۵۔ نظام زندگی کی تشکیل وتعمیر

اسلام کی نظریہ اخلاق کی خصوصیات

۱۔توازن :

یہ اسلام کے اخلاقی نظام کی پہلی خصوصیت ہے۔اخلاق کے غیر اسلامی نظاموں میں ہمیں اخلاقی حدود کے تعین اور ان کے مقام ومصرف کی تجویز میں وہ توازن وتناسب نظر نہیں آتا جو توازن وتناسب اسلام کے اخلاقی نظام میں نظر آتا ہے، مثلاً عفو ودرگزر ایک اچھا اخلاق ہے ،لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے بعض موقعوں پر یہ بُرا بھی قرار پاتا ہے اور تعزیر وسزا مستحسن سمجھے جاتے ہیں۔ غصہ ایک بُرا اخلاق ہے لیکن اسلامی نقطۂ نظر سے بعض موقعوں پر اس کو مستحسن بھی قرار دیا گیا ہے۔ یہی وہ نازک فرق ہے جو ہمیں اسلام کے اخلاقی نظام اور غیر اسلامی نظام ہائے اخلاق میں دکھائی دیتا ہے اسلام نے اپنے اخلاقی نظام میں جو خوبصورت توازن قائم رکھا ہے، وہ حدود اخلاق کے تعین پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے اس میں نہ کہیں افراط نظر آتا ہے اور نہ کہیں تفریق دکھائی دیتی ہے۔

۲۔قوت نافذہ:

اسلام اپنے اخلاقی نظام کی بنیاد بھی اپنے مخصوص تصور کائنات اور مخصوص تصور انسان اور اسکے مقصد حیات کے تعین پر رکھتا ہے۔کائنات سے متعلق اسلام کا تصور یہ ہے کہ اس

کائنات کا ایک خالق ہے اور وہی اس کا مالک و حاکم ہے، وہ حکیم و قادر مطلق ہے اور ہر کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے، انسان اس کا بندہ اور نائب ہے۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کا نظام خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق چلائے وہ اس کے سامنے اپنے ہر عمل کا جواب دہ ہے۔ یہ تصور کائنات اور تصور انسان اسلام کے اخلاقی نظام کی قوت نافذہ ہے۔ خدا کا خوف، آخرت کی بازپرس کا اندیشہ اور ابدی کی خرابی کا خطرہ انسان کو ہر وقت آگاہ کرتا رہتا ہے کہ وہ اسلامی اخلاقیات کی پابندی کرے۔ اسلام آدمی کے دل میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دیتا ہے کہ تیرا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، جو ہر وقت اور ہر جگہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ تو سب کو دھوکہ دے سکتا ہے مگر اس کو نہیں دے سکتا۔ وہ تیرے ظاہر و باطن ہر دو کو جانتا ہے۔ یہی قوت اندر سے اس کو احکام کی تعمیل اور اچھے اخلاق کے چناؤ پر مجبور کرتی ہے۔ رائے عامہ اور حکومت کی طاقت اس کی تائید میں موجود ہو تو نور علیٰ نور، ورنہ تنہا یہی قوت نافذہ انسان کو سیدھے راستے پر چلانے کیلئے کافی ہے، بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو۔ اس کے برعکس دوسرے اخلاقی نظاموں میں کوئی ایسی قوت نافذہ نہیں ہے، جو انسان کی جلوت و خلوت دونوں کی حفاظت کر سکے۔ اخلاق کے غیر اسلامی نظاموں نے زیادہ سے زیادہ رائے عامہ، سماجی دباؤ اور حکومت ہی کو قوت نافذہ گردانا ہے، جس کی وجہ سے انسان کی جلوت کی حفاظت تو ہو سکتی ہے لیکن خلوت کی نہیں، جب بھی کسی خارجی سبب سے یہ قوت نافذہ کمزور ہوتی ہے تو انسانی اخلاقیات کا سارا تانا بانا ٹوٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی نام نہاد مہذب قوم کے شہر نیویارک میں صرف چند گھنٹوں کیلئے بجلی فیل ہو جائے تو ہزاروں اسٹورز لوٹ لئے جاتے ہیں ہزاروں خنجر اولادِ آدم کے سینوں میں پیوست ہو جاتے ہیں، ہزاروں عصمتیں سر بازار لٹ جاتی ہیں اور انسان ایک درندہ بن جاتا ہے کہ درندگی بھی شرم سے نظریں جھکا لیتی ہے۔

بدترین حیوانیت کا یہ مظاہرہ صرف اس لئے ہوا کہ اس نظامِ اخلاق کی قوت نافذہ کمزور تھی، جونہی کچھ دیر کیلئے خارجی دباؤ کم ہوا، اخلاقیات کے پرخچے اڑ گئے۔

ماخذ:

اسلام نے اخلاق کا ماخذ قرآن وسنت کو قرار دیا ہے۔ وہی اخلاق اچھا ہے جس کو قرآن اور سنت اچھا قرار دیں اور ہر وہ اخلاق برا ہے جس کو قرآن اور سنت برا قرار دیں۔ اگر کسی شخص کی فلاحی حِس اس کے خلاف رائے دیتی ہے تو اس کی یہ رائے معتبر نہیں۔ اس کے برخلاف غیر اسلامی نظام ہائے اخلاق نے رائے عامہ اور عقل عام کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے اسی لئے ان نظاموں کی اخلاقیات میں وقت کے ساتھ تغیر وتبدل ہوتا رہتا ہے یعنی آج سے چند برس پہلے ایک اخلاق تھا تو وہ آج برا قرار پاتا ہے اور جو برا تھا وہ اچا سمجھا جانے لگتا ہے کیونکہ اب اس کے متعلق رائے عامہ بدل گئی یا عقل نے اس کے خلاف فیصلہ دے دیا اس کے باوجود ایک اخلاق کچھ لوگوں کے نزدیک اچھا ہوتا ہے اور کچھ لوگوں کے نزدیک برا، اس کی وجہ بھی رائے عامہ کی تبدیلی اور عقل کا اختلاف ہے۔ اس خرابی کی بناء پر انسانی معاشرہ علاقائی، نسلی اور لسانی تہذیبوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے، اس کے برعکس اسلام قرآن وسنت کو اپنی اخلاقیات کا ماخذ قرار دے کر اس ساری خرابی کو ختم ہی کر دیتا ہے۔

همه گیری:

یہ اسلام کے اخلاقی نظام کی چوتھی خصوصیت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے تمام اعمال (ارادی افعال) کو اسلام کوئی نہ کوئی اخلاقی نام ضرور دیتا ہے اور کسی بھی عمل کو اپنے اخلاقی نظام سے خارج نہیں کرتا۔ اس کو یا تو نیکی گردانتا ہے یا بدی۔ یہ ہمہ گیری دنیا کے دوسرے اخلاقی نظاموں میں نہیں پائی جاتی ان میں صرف گنے چنے اخلاق کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے، اس لئے ان میں وہ ہمہ گیری نہیں جو انسان کی پوری سیرت کا احاطہ کر سکے۔ اس لحاظ سے غیر اسلامی اخلاقی نظام، اسلام کے اخلاقی نظام کے مقابلے میں ناقص ہیں۔

نظام زندگی کی تشکیل وتعمیر:

اسلام اپنے اخلاقی نظام کو انسان کی صرف انفرادی زندگی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ وہ

اس کو انسان کی اجتماعی زندگی تک وسیع کر کے اپنے پورے نظامِ زندگی کی تشکیل وتعمیر کرتا ہے اور زندگی کے کسی بھی شعبے کو اپنے اخلاقی نظام کی گرفت سے آزاد نہیں ہونے دیتا۔انسانی زندگی افرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا معاشرتی، سیاسی ہو یا تہذیبی، ماڈی ہو یا روحانی، ہر ایک پر وہ اپنی مضبوط گرفت رکھتا ہے۔اس کے اُلٹ دوسرے غیر اسلامی اخلاقی نظام، اخلاقیات کو انسان کی صرف انفرادی زندگی تک محدود رکھتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ چند سماجی امور تک۔

مقصودِ اخلاق:

یہ اسلام کے اخلاقی نظام کی چھٹی خصوصیت ہے کہ یہ رضائے الٰہی کو اپنا مقصد قرار دیتا ہے اس سے اخلاقیات کو معیار کی بلندی ملتی ہے اور اخلاقی ارتقاء کے امکانات لامحدود ہو کر رہ جاتے ہیں زندگی کا ہر لمحہ اس کے دائرے میں آجاتا ہے۔اس کے برخلاف دوسرے نظام ہائے اخلاق صرف سماجی بہبود کو مقصودِ اخلاق قرار دیتے ہیں اس کی بنیاد ہی اتنی کمزور ہوتی ہے کہ وہاں انسان ضابطہ اخلاق کا پابند نہیں رہتا۔

سماجی بہبود و پیشِ نظر ہونے کے باوجود بیسیوں مواقع ایسے ہوتے ہیں، جب انسان یہ سوچتا ہے کہ اگر میں اکیلا، ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کروں گا تو اس سے سماج میں کوئی نمایاں خرابی نہ ہوگی، صاف ظاہر ہے کہ جب ہر شخص یہی سوچ کر اس طرح ضابطہ اخلاق کی خلاف ورزی کرنے لگے تو سماجی بہبود کس طرح برقرار رہ سکتی ہے۔اس کے برخلاف اسلام نے رضائے الٰہی کو اخلاقیات کا مقصود قرار دے کر اور ہر انسان کو فرداً فرداً خدا کے سامنے جواب دہ بنا کر اس خرابی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔اسلام کے اخلاقی نظام کی خصوصیات معلوم کر لینے کے بعد ایک مومن اور مسلمان کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ایمان اور اخلاق کا باہمی تعلق کیا ہے؟ اور اخلاق و قانونِ شریعت میں کیا فرق ہے؟

ایمان اور اخلاق کا باھمی تعلق:

ایمان کا تعلق قلب سے ہے اور اخلاق کا جوارح سے، ان دونوں کا باہمی تعلق بیج اور

درخت کا سا ہے۔ درخت اپنے پھول، پتوں کے ساتھ جو کچھ بھی ہے وہ اسی بیج کی تفصیل ہے جو زمین میں دبا ہوا ہے، اسی طرح ایمان انسان کے دل میں چھپا ہوتا ہے لیکن اخلاق ہی اس کا درخت ہے اس پر جو پھل پھول بھی آتے ہیں وہ ایمان ہی کے مظاہر ہوتے ہیں ایمان جیسا اور جس درجے کا ہوگا اخلاق بھی ویسے ہی اسی درجے کے ظاہر ہوں گے۔

اس مثال سے یہ بات سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں رہتی کہ ایمان ہی دراصل اخلاق کا محرک جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ اسلام نے اپنے اخلاقی نظام کی بنیاد اپنے مخصوص تصور کائنات اور اس میں انسان کی حیثیت پر رکھتا ہے جس سے انسان مخلوق اور خدا خالق، انسان مملوک اور خدا مالک، انسان محکوم اور خدا حاکم قرار پاتا ہے۔ انسان ایک ایسی ہستی کا نائب اور خلیفہ ہے جو قادر مطلق اور عالم الغیب والشہادہ ہے۔ لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنی زندگی کا نظام خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق ڈھالے، کیونکہ وہ خدا کے سامنے جواب دہ بھی ہے۔ یہی تصور اس کو خوف خدا اور اندیشہ آخرت کے ڈر اور خوف میں جکڑے رکھتا ہے اور اسی ایمان سے اس کو وہ قوت ملتی ہے جو اسے اخلاق حسنہ کو اپنانے اور اخلاق بد سے باز رہنے، فضائل کو اختیار کرنے اور رذائل سے دور بھاگنے پر مجبور کرتی ہے۔ یعنی اخلاق ایک گاڑی ہے اور ایمان اس کا ایندھن، یہ اسی قوت سے چلتی ہے۔

اخلاق اور قانون کے دائرے:

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ دیگر علوم کی طرح علم الاخلاق انسان کو اپنے اعمال کے کھرے کھوٹے کی پرکھ پر قدرت عطا کرتا ہے۔ علم الاخلاق کی غرض وغایت صرف یہی نہیں کہ نظریوں اور قاعدوں کی معرفت انسان کو حاصل ہوجائے بلکہ اس کے عظیم مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان کے ارادے میں تاثیر اور ہدایت کارفرما ہو۔ یہی تاثیر ارادے کو عمل خیر پر ابھارتی ہے اور انسان میں یہ جذبہ پیدا کرتی ہے کہ وہ اپنی حیات کی تشکیل اور اپنی سیرت کی تعمیر کرے۔ اپنے اندر حسن عمل اور حسن کمال پیدا کرے۔

علم الاخلاق انسان کے سامنے خیر وشر اور نیکی و بدی کو واضح کر کے نیکی اور سچائی کی راہ کو آسان بنا دیتا ہے۔اس کا کام جبری طور پر صالح بنا دینا نہیں بلکہ انسان کو نیکی کی راہ دکھانا ہے جس پر چلنے یا نہ چلنے کا انحصار فرد کے ارادے پر ہوتا ہے۔علم الاخلاق ایک طبیب کی طرح انسان کو اچھے اور برے میں تمیز کرا دیتا ہے۔اس میں خیر کو اختیار کرنے اور شر سے اجتناب کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اسلام بالعموم اپیل کرتا ہے کہ اخلاق حسنہ اختیار کیے جائیں اور اخلاق سیہ سے اجتناب کیا جائے ، جہاں تک اس اپیل کا دائرہ ہے اسی حد تک اخلاق کا دائرہ ہے لیکن جہاں ایک حد کو پہنچ کر اسلام کوئی حکم دیتا ہے یا ممانعت کرتا ہے، وہیں سے قانون شریعت کی حد شروع ہو جاتی ہے اس حکم کی پابندی ہر شخص کے فرائض میں شامل ہوتی ہے اور اس کی خلاف ورزی جرم قرار پاتی ہے۔ اسلام کسی چھوٹے سے چھوٹے اخلاق کو بھی اپنے دائرہ تلقین وارشاد سے خارج نہیں کرتا۔

دعائے مغفرت

ملتان سے حاجی محمد رفیق صاحب کی بھابھی

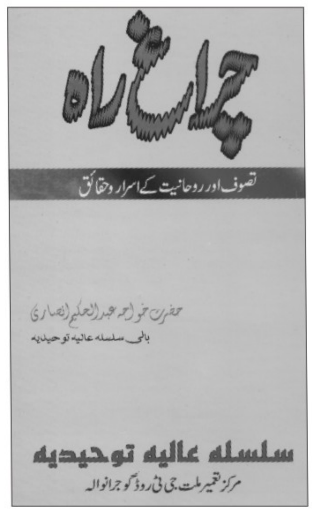
ڈسکہ سے محمد ندیم صاحب کے سسر

بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّـا اِلَيْهِ رَاجِعونَ)

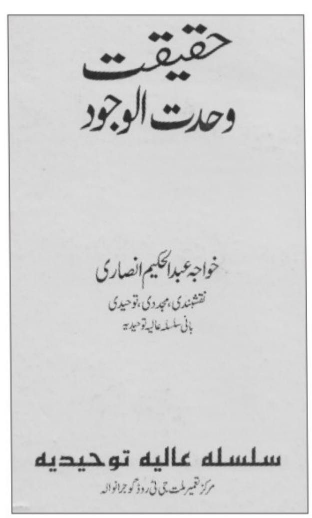
اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمّل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01

Website www.tauheediyah.com